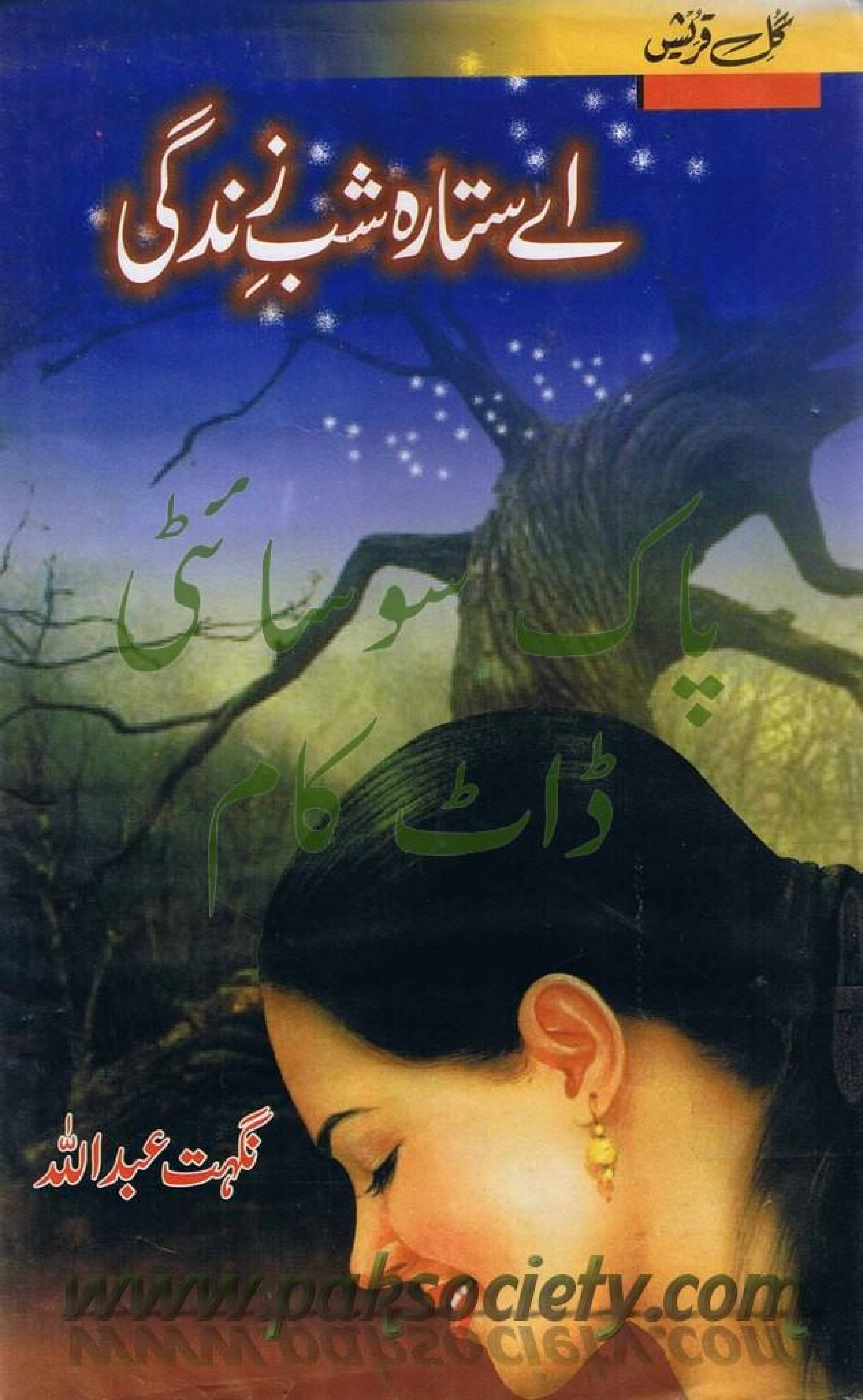

گُلِ قریش

اے ستارہِ شبِ زندگی

پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام

نگہت عبداللہ

زارا کی تلاش میں بھٹکتی ہوئی اس کی نظریں جس شخص پر ٹھہری تھیں، وہ جانے کون تھا، اس نے اس سے پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ نہ کسی پارٹی میں نہ کسی فنکشن اور نہ کسی راہ گذر پر، پھر بھی یوں لگ رہا تھا جیسے وہ برسوں سے اسے جانتی ہو۔ وہ اس کے آس پاس اس کے بہت قریب رہا ہو۔ اتنا قریب کہ بارہا اس کی سانسوں کی گرمی سے اسے اپنے رخسار جلتے ہوئے محسوس ہوئے اور اس کے مضبوط ہاتھوں کی انگلیاں اس کے ریشمی بالوں میں سرسراتی رہی ہوں۔

"کون ہے یہ......؟" اس کی بے پناہ جاہت میں الجھتے ہوئے اس نے خود سے سوال کیا تھا کہ زارا آ گئی۔

"تم یہاں کہاں کھڑی ہو، ادھر آؤ نا۔"

"آں......" اس نے چونک کر زارا کو دیکھا "کیا کہا تم نے؟"

"ادھر چلو نا۔" زارا نے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا لیکن اس نے غیر محسوس طریقے سے دونوں

ہاتھ پیچھے کر لیے اور مسکرا کر بولی۔

‘‘میں یہیں ٹھیک ہوں۔’’ پھر اپنے پیچھے جگہ دیکھ کر بیٹھ بھی گئی تو زارا زور دے کر بولی۔

‘‘کم آن یار! میں کیک کاٹنے والی ہوں، چلو اٹھو۔’’

زارا زبردستی اس کا ہاتھ پکڑ کر تقریباً کھینچتی ہوئی ٹیبل کے پاس لے گئی تو ہمیشہ کی طرح ادھر ادھر سے شوخ جملے اس کی سماعتوں سے ٹکرانے لگے۔ لیکن وہ ہمیشہ کی طرح محظوظ ہوئی نہ مغرور کیونکہ اس کا سارا دھیان اس کی طرف تھا، جو عام سے کپڑوں میں بھی سب میں نمایاں لگ رہا تھا اور جو بات وہ بری طرح محسوس کر رہی تھی وہ اس کی بے نیازی تھی۔ پتا نہیں اس نے اسے دیکھا ہی نہیں تھا یا دیکھ کر نظر انداز کر رہا تھا۔ پہلی بات ٹھیک تھی کیونکہ اسے دیکھنے کے بعد نظر انداز کرنا تو ممکن ہی نہیں تھا۔ یقیناً اب تک وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا جب ہی اتنا بے نیاز نظر آ رہا تھا اور شاید اس محفل میں اجنبی تھا۔ الگ تھلگ سا۔ جانے کس کے بلانے پر آیا تھا بلکہ یوں لگ رہا تھا جیسے غلطی سے آ گیا ہو، بن بلائے۔

‘‘ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔’’

زارا نے کیک کاٹا تھا کہ شور مچ گیا جس سے وہ بری طرح چونکی اور غیر محسوس طریقے سے سب کے درمیان سے نکل کر اسی جگہ آ بیٹھی جہاں کچھ دیر پہلے بیٹھی تھی۔ ابھی بھی اس کی نگاہوں کا مرکز وہی تھا اور وہ خود پر حیران بھی ہو رہی تھی۔ کیونکہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ اس نے کسی کو اتنی توجہ سے دیکھا ہو اور یہی نہیں، دل یہ چاہ رہا تھا کہ اس کے بعد بھی وہ جہاں جہاں دیکھے بس وہی ہو۔

اس کی شخصیت میں کوئی ایسی ہی مقناطیسیت تھی جو اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ ورنہ وہ کوئی عام سی لڑکی نہیں تھی۔ قدرت نے جس فیاضی سے اسے ہر پہلو سے نوازا تھا اس کے باعث ہر ایک اس کی راہوں میں آنکھیں بچھاتا تھا ابھی بھی سب کی توجہ کا مرکز وہی تھی اور وہ جس کی توجہ چاہتی تھی وہ اس کی طرف دیکھے بغیر ہی جا رہا تھا۔

‘‘سنو......’’ وہ بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی لیکن فوراً ہی احساس بھی ہو گیا تو کچھ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا پھر زارا کے پاس آ کر بولی۔

‘‘زارا! میں اب گھر جاؤں گی۔’’

‘‘اتنی جلدی، ارے ابھی تو......’’

‘‘میں جانتی ہوں تمہارا پروگرام۔’’ وہ زارا کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی۔ ‘‘تم نے میرے فیورٹ گروپ کو بلایا ہے آئی ایم سوری میں بالکل انجوائے نہیں کر سکوں گی، کیونکہ میرا سارا دھیان ڈیڈی کی طرف ہے آج ان کا آپریشن ہے۔’’

‘‘او ہاں’’ تم نے بتایا تھا کوئی تشویش کی بات تو نہیں ہے نا؟’’

‘‘نہیں صبح ممی کا فون آیا تھا معمولی آپریشن ہے۔ اب وہ آپریشن کے بعد فون کریں گے۔ مجھے گھر پر ہونا چاہیے تم پلیز مجھے جانے دو۔’’

اس نے جانے کی جو توجیح پیش کی تھی، اس کے بعد زارا اسے روک بھی نہیں سکتی تھی۔ بلکہ الٹا معذرت کرتے ہوئے کہنے لگی۔

‘‘سوری مجھے بالکل یاد نہیں رہا۔ ورنہ میں اپنی برتھ ڈے کینسل کر دیتی۔’’

‘‘نہیں تم اپنے اور مہمانوں کا خیال کرو۔ میں پھر انشاء اللہ آئندہ سال تمہارا بھرپور ساتھ دوں گی۔ او کے’’ اس نے مسکرا کر کہا۔ پھر اسے خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئی۔

یہ صحیح ہے کہ اس کا دھیان ڈیڈی کی طرف بھی تھا، لیکن ان کی وجہ سے وہ اس خوبصورت گیدرنگ کو چھوڑ کر نہیں آئی تھی بلکہ اصل وجہ وہ عام کپڑوں میں بھی سب سے نمایاں نظر آنے والا شخص تھا جس کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی اس کا ہر شے سے دل اچاٹ ہو گیا تھا اور گھر آ کر بھی وہ یوں گم صم بیٹھی تھی جیسے جانے کیا کچھ کھو آئی ہو۔ کچھ دیر بعد آپی کسی کام سے لاؤنج میں آئیں تو اسے دیکھ کر حیران ہو گئیں۔

‘‘رجاء! تم کب آئیں؟’’

‘‘آں...... وہ بری طرح چونکی پھر گہری سانس کھینچتے ہوئے بولی۔ ‘‘بس ابھی آ کر بیٹھی ہوں۔’’

‘‘اتنی جلدی کیسے آ گئیں، میرا مطلب ہے کوئی میوزیکل پروگرام بھی تو تھا۔’’ آپی نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا تو وہ کچھ بے دلی سے بولی۔

’’ہاں زارا نے میرے فیورٹ گروپ کو بلایا تھا لیکن میرا دل نہیں لگا۔ اس لیے چلی آئی۔‘‘

’’تم ڈیڈی کے لیے پریشان ہو' ارے یہ تو اب بہت عام سی بات ہو گئی ہے۔ یہاں پاکستان میں بھی اتنے کامیاب آپریشن ہو رہے ہیں۔ پھر ڈیڈی تو امریکہ میں ہیں۔ دیکھنا ابھی ممی کا فون آئے گا۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو گا۔‘‘

آپی جو سمجھیں اسی حساب سے اسے تسلی دے ڈالی تو وہ کچھ دیر تک انہیں دیکھتی رہی' پھر اچانک خیال آنے پر پوچھنے لگی۔

’’سنی کہاں ہے؟‘‘

’’اسے حسام لے گئے ہیں۔‘‘

’’حسام بھائی آئے تھے؟‘‘

’’ہاں' تمہارے جانے کے کچھ دیر بعد ہی آ گئے تھے' پھر جب جانے لگے تو سنی بھی ساتھ جانے کو مچل گیا مجبوراً انہیں لے جانا پڑا۔‘‘ آپی بتاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

’’خوانخواہ جانے دیا آپ نے' بہلا لیتیں کسی طرح یا حسام بھائی کو ہی روک لیتیں۔‘‘

’’تمہیں پتا تو ہے حسام نہیں رکتے۔ کہتے ہیں مجھے سسرال میں رہنا اچھا نہیں لگتا۔‘‘

’’آپ کو کہنا چاہیے نا کہ یہ ان کا سسرال بعد میں چچا کا گھر پہلے ہے۔‘‘

’’ارے شادی کے بعد پچھلے سارے رشتے بھول جاتے ہیں۔ یہ تمہیں شادی کے بعد پتہ چلے گا چلو اب جلدی سے چینج کر لو۔ میں کھانا نکلواتی ہوں۔

آپی نے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیا۔ تو وہ بہت سست روی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی کہ فون کی بیل پر فوراً پلٹی اور تیزی سے ریسیور جھپٹ لیا تھا۔

’’کون ممی! ڈیڈی کیسے ہیں؟‘‘

’’تھینک گاڈ......‘‘

’’جی آپی میرے پاس ہیں۔‘‘

’’آپ فکر نہیں کریں' میں بالکل ٹھیک ہوں بس آپ ڈیڈی کا خیال رکھیں اور آپی کو سمجھا دیں کہ جب تک آپ آ نہیں جاتیں وہ اپنے گھر نہیں جائیں گی۔‘‘ اس نے آپی کو دیکھتے ہوئے کہا پھر ریسیور انہیں تھما دیا تھا۔

اسے ڈیڈی کی طرف سے اب مکمل اطمینان ہو گیا تھا اس لیے کھانے کے بعد ٹی وی آن کر کے کچھ دیر چینل بدل کر دیکھتی رہی' پھر جب آپی نے ٹوکا کہ صبح اسے آفس بھی جانا ہے تب وہ ٹی وی آف کر کے اپنے کمرے میں آئی تھی کہ آپی اس کے پیچھے آ کر کہنے لگیں۔

’’سنو تمہارے جانے کے بعد کسی فراز کا فون آیا تھا۔‘‘

’’کون فراز......‘‘

وہ پلٹ کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

’’مجھے کیا پتا' اس نے اپنا پورا بائیوڈاٹا نہیں بتایا تھا بس تمہارا پوچھا اور کہا کہ تم آؤ تو بتا دوں۔‘‘ آپی نے کہا تو میں کچھ دیر سوچنے کے بعد پوچھنے لگی۔

’’کوئی میسج......؟‘‘

’’نہیں۔‘‘

کہہ رہا تھا' میں پھر فون کر لوں گا۔‘‘

’’اچھا......!‘‘ وہ ابھی بھی اپنے ذہن میں اس نام کو کھنگال رہی تھی۔ لیکن کچھ یاد نہیں آیا تو سر جھٹک کر بولی۔

’’اچھی بات ہے اور ہاں آپ نے سنی کو بھیج کر اچھا نہیں کیا۔‘‘

’’آ جائے گا صبح۔‘‘ آپی کہتی ہوئی واپس پلٹ گئیں تو وہ لائٹ آف کر کے اپنی جگہ پر آ لیٹی اور پھر سے فراز کے بارے میں سوچنے لگی تھی کہ اس کا دھیان اس شخص کی طرف چلا گیا۔ جس کے جاتے ہی وہ بھی زارا کی پارٹی چھوڑ کر آ گئی تھی۔ اور اسے سوچتے ہوئے اب اسے افسوس ہونے لگا تھا کہ اس نے زارا سے اس کے بارے میں پوچھا کیوں نہیں۔ کون تھا' کہاں سے آیا تھا اور زارا سے اس کی کیا رشتہ داری تھی۔ اس کے علاوہ بھی کتنی باتیں تھیں جنہیں سوچتے ہوئے وہ سوئی تھی۔

اس نے بی بی اے کرتے ہی ڈیڈی کے ساتھ ان کا آفس جوائن کر لیا تھا اور ایک سال میں ہی وہ بزنس کے اسرار ورموز سمجھ گئی تھی۔ جب ہی ڈیڈی کی غیر موجودگی میں تمام معاملات بہت خوبی سے ہینڈل کر رہی تھی۔ ڈیڈی کو بھی اس پر پورا اعتماد تھا اکثر جب ٹورز پر جاتے تو انہیں یہاں کی فکر نہیں ہوتی تھی۔ حقیقتاً وہ ان کا بازو بن گئی تھی کہ انہیں اب بیٹے کی کمی بھی محسوس نہیں ہوتی تھیں' بلکہ اب تو یہ کہتے تھے کہ اگر بیٹا ہوتا تو وہ بھی اتنے کم وقت میں میرا سہارا نہیں بن سکتا تھا' اور وہ سہارا بن تو گئی تھی لیکن بہر حال ایک لڑکی تھی۔ لاکھ بزنس وومین سہی اپنے احساسات نہیں بدل سکتی تھی۔

اور ایسی کوئی کوشش بھی نہیں کی تھی اس نے۔ اس کی اپنی شخصیت بہت پیاری تھی' دل میں گھر کرنے والی اور خود سے آگاہ بھی تھی۔ جانتی تھی کہ وہ جہاں کھڑی ہو جائے ساری خوبلورتیاں وہیں سمٹ آتی ہیں۔

اور وہ یہی ایک بات اسے بہت مغرور کر دینے کے لیے کافی تھی لیکن وہ ایسی نہیں تھی اس کے برعکس بہت محبت کرنے والی' البتہ کبھی کبھی تھوڑی سی خود غرض ہو جاتی تھی۔ وہ بھی اس طرح کہ کسی کا نقصان نہ ہو اور پنا کام بھی ہو جائے۔

بہر حال بہت ساری خوبیوں میں اس کی چند ایک خامیاں کسی کو نظر کیا آتیں محسوس بھی نہیں ہوتی تھیں۔ جب ہی ہر ایک بے اختیار اس کی طرف کھنچا چلا آتا تھا اور وہ خود جسے دیکھ کر بے اختیار ہوئی تھی۔ وہ جانے کون تھا جو اس بری طرح اس کے حواسوں پر چھا گیا تھا کہ آج تیسرے دن بھی وہ اسے ہی سوچ رہی تھی۔

اس دوران کتنی بار زارا فون کر چکی تھی' محض اسی کے بارے میں پوچھنے کے لیے لیکن اس کا حلیہ سوچ کر کچھ بھی پوچھنے سے رہ گئی۔ کیونکہ وہ کہیں سے بھی اس کی کلاس کا نہیں لگ رہا تھا اور نہ ہی مہمانوں میں اس کی کوئی حیثیت نظر آئی تھی۔ ورنہ زارا خود اسے متعارف کراتی اور اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اور کس سے اس کے بارے میں معلوم کرے جس کے سحر میں گرفتار ہو کر اس سے اور کوئی کام نہیں ہو پا رہا تھا۔

گذشتہ روز فاروقی صاحب ان کے سامنے جو فائل رکھ کر گئے تھے' وہ جوں کی توں پڑی تھی۔ فاروقی صاحب کی بار بار یاد دھیانی کے باوجود وہ بس اس پر ایک نظر ڈال کر رہ جاتی۔ ابھی پھر انہوں نے بہت اصرار سے کہا تھا تب بھی فائل کھلنے سے پہلے اس نے ایک آخری کوشش کے طور پر پھر زارا کا نمبر ملا ڈالا کہ شاید باتوں کے دوران اس اجنبی کا ذکر آ جائے۔

''زارا......! مجھے تمہاری برتھ ڈے پارٹی چھوڑ آنے کا بہت افسوس ہے۔'' وہ تین دن سے مسلسل یہی بات کہہ رہی تھی۔

''او گاڈ!'' اس بار زارا چیخ پڑی۔ ''تمہیں کیا ہو گیا ہے رجاء کتنی بار معذرت کرو گی۔''

''نہیں اب میں معذرت نہیں کر رہی بلکہ......'' اس کی بات ہونٹوں میں رہ گئی' کیونکہ گلاس ڈور سے اس طرف اس کی نظروں نے اسی شخص کو دیکھ لیا تھا ایک ہاتھ میں بریف کیس تھامے وہ مس انتیا سے جانے کیا کہہ رہا تھا یا شاید اسی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

''ہیلو رجاء......!'' ادھر زارا اسے پکار رہی تھی۔ اس نے بہت آہستگی سے ریسیور رکھ کر

انٹر کام اٹھالیا۔

''مس انیتا کون ہے یہ شخص؟'' اس نے حتی الامکان لہجے پر قابو پا کر پوچھا۔

''آپ سے ملنا چاہتا ہے۔'' مس انیتا نے کہا تو اس کا دل یکبارگی بڑی زور سے دھڑکا تھا۔

''مجھ سے اچھا بھیج دو۔''

اس نے فوراً ریسیور رکھ دیا اور بہت سنبھل کر اپنے سامنے رکھی فائل کھول کر نظریں اس پر جمادیں لیکن سارا دھیان اسی طرف تھا۔

''السلام علیکم۔'' چند لمحوں بعد سماعتوں میں اس کی آواز یوں اُتری کہ وہ فوراً سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

''جی۔۔۔!''

''مجھے عاطف کہتے ہیں عاطف علی۔''

وہ اپنا کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ جسے دیکھے بغیر اس نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کردیا۔

''تھینک یو''

وہ کارڈ اس کے سامنے رکھ کر کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اس کے کسی انداز سے ظاہر نہیں ہورہا تھا کہ وہ پہلے بھی اسے دیکھ چکا ہے۔ صرف وہ جو یہ سوچ رہی تھی کہ وہ اسے ڈھونڈتا ہوا آیا ہے اس کے اجنبی انداز پر اپنے آپ میں عجیب سا محسوس کرتی ہوئی اس کا کارڈ اٹھا کر دیکھنے لگی۔ اوپر اسٹیٹ لائف لکھا تھا جس سے وہ اس کی آمد کا مقصد سمجھ گئی تو چیئر کی بیک سے کمر لگاتے ہوئے براہ راست اسے دیکھ کر بولی۔

''اگر آپ انشورنس کے سلسلے میں آئے ہیں تو آئی ایم سوری مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''پھر بھی آپ مجھے تھوڑا وقت دیں تو میں آپ کو کنوینس کرسکتا ہوں۔'' اس نے کہا تو وہ

محض اس خیال سے کہ کہیں وہ فوراً اٹھ کر چلا نہ جائے ذرا سے کندھے اچکا کر بولی۔

''کوشش کر دیکھیں۔''

''شکریہ۔'' وہ فوراً بولنا شروع ہوگیا۔ ''اسٹیٹ لائف پر بھروسا کر کے آپ کبھی مایوس نہیں ہوں گی۔ ہم لوگوں کی سہولت کے لیے بہت آسان شرائط پر وقتاً فوقتاً نئے منصوبے جاری کرتے رہتے ہیں جیسے شاد آباد منصوبہ' بیمہ زندگی کا یہ منصوبہ ان لوگوں کی ضروریات کو پورا کرے گا۔ جو بچت کے بنیادی تصور کے لیے زندگی کے معیاری بیمے کو اچھا سمجھتے ہیں اور مختلف النوع بونس اور ٹرمینل بونس کے علاوہ پالیسی کی تکمیل سے قبل خدانخواستہ انتقال کی صورت میں اپنے خاندان کو زیادہ تحفظ دینا چاہتے ہیں۔''

وہ ایک ٹک اسے دیکھے جارہی تھی۔ دل نشین لہجے میں بولتا ہوا وہ اس کے اندر کی دنیا تہہ وبالا کررہا تھا وہ کیا کہہ رہا تھا' یہ سننے کی اس نے کوشش ہی نہیں کی۔ وہ تو بس اس کے ہونٹوں کی حرکت دیکھ رہی تھی۔ یا پھر ساحر آنکھوں پر کمان ابروؤں کا کبھی اٹھنا کبھی سمٹنا اور وہ تھا کہ اپنی کہے جارہا تھا۔

''یہ منصوبہ بیمہ دار کے خاندان کے تحفظ اور خوشحالی کے لیے ایک مثالی منصوبہ ہے۔ جس میں معیاری منافع پالیسی کے عمومی فوائد بھی شامل ہیں۔ اس منصوبے کے تحت آپ اور آپ کے خاندان کو بیمہ زندگی کے زیادہ سے زیادہ فوائد مناسب قیمت کے عوض حاصل ہوسکتے ہیں۔''

وہ اچانک اس کی غائب دماغی محسوس کرکے خاموش ہوگیا۔ پھر بریف کیس کھول کر اس میں سے چند کتابچے نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔

''آپ فرصت کے وقت انہیں دیکھ لیجیے گا۔ ابھی شاید آپ......''

''ہاں......!''

اس کے منہ سے بے اختیار ایسے ہی آواز نکلی اور اس کے ساتھ ہی وہ گم صم سی کیفیت سے نکل کر اندر ہی اندر خود کو سرزنش کرتے ہوئے قدرے بے نیازی سے کہنے لگی۔

''میرا خیال ہے' یہ بھی مجھے قائل نہیں کر سکیں گے۔''

''ہاں اگر آپ اس طرح انہیں دیکھیں گی جس طرح مجھے سن رہی تھیں۔ تب تو واقعی قائل نہیں ہو سکتیں۔'' وہ بڑی خوبصورتی سے اس کی غائب دماغی جتا گیا۔

وہ اپنی خجالت چھپانے کو ہنس پڑی۔

''اوکے۔'' وہ بریف کیس بند کر کے اٹھ کھڑا ہوا پھر جاتے جاتے رک کر بولا تھا۔

''میں پھر آؤں گا۔''

''میں انتظار کروں گی۔''

اس کے جانے کے بعد دھیرے سے بڑبڑاتے ہوئے اس نے بیک پر سر ٹکایا تو گزشتہ تین دنوں کی بے نام سی بے قراری کو عنوان مل گیا تھا۔

گو کہ وہ خوابوں میں رہنے والی لڑکی نہیں تھی نہ ہی آئیڈیل پرست تھی۔ لیکن اسے دیکھنے کے بعد یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ہمیشہ سے اس کی تلاش میں تھی۔ کتنی دیر تک وہ اس کے بارے میں سوچتی رہی اور اس کی دوبارہ آمد کے بارے میں قیاس کرنے لگی تھی۔ دو دن چار دن بعد یا ---معاً فون کی بیل نے اس کی سوچوں کو منتشر کر دیا۔

''ہیلو......!''

اس نے بے دلی سے ریسیور اٹھایا تھا۔

''رجاء......''

ادھر سے جیسے تصدیق چاہی گئی۔

''یس......!''

''رجاء! میں فراز بول رہا ہوں۔ فراز ہمدانی' یونیورسٹی میں ہم ساتھ تھے یاد آیا؟'' فراز نے فوراً اپنا تعارف کرانے کے ساتھ پوچھا۔

''اویس......فراز......! کیسے ہو......؟'' اس نے بھی فوراً پہچان کر خوشی کے اظہار کے ساتھ پوچھا تو ادھر وہ گہری سانس کھینچ کر بولا۔

''تھینک گاڈ! تم نے پہچان لیا۔''

''میری یادداشت اتنی کمزور نہیں ہے فرینڈ! پھر یونیورسٹی چھوڑے ہوئے بہت زیادہ عرصہ نہیں ہوا' خیر یہ بتاؤ کیا کر رہے ہو آج کل؟''

''کچھ نہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب وطلب بعد میں بتاؤں گا اس وقت میں نے ایک اشد ضرورت کے تحت تمہیں فون کیا ہے۔ کیا تم......؟'' وہ شاید جھجک گیا تھا۔

''ہاں کہو۔'' اس نے ٹوکا۔

''وہ ایسا ہے کہ میرا خیال ہے میں تمہارے پاس آ جاتا ہوں' اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو۔''

''کیا اجنبیوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔ جب چاہے آ جاؤ۔''

''بس تو میں ابھی آ رہا ہوں۔''

اس نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ تو وہ کچھ دیر اس کی اشد ضرورت سوچتی رہی' پھر سر جھٹک کر اپنے سامنے رکھی فائل دیکھنے لگی۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے باقاعدہ فراز کا انتظار کیا تھا جس نے ابھی آنے کو کہا تھا اور شام تک نہ خود آیا نہ ہی فون کیا اور اس کے پاس اس کا کوئی کونٹیکٹ نمبر نہیں تھا ورنہ آفس سے اٹھنے سے پہلے وہ ضرور اس سے رابطہ کرتی' اور جو انتظار کی کوفت اسے ہوئی تھی تو بدلے میں اسے بے شمار گالیوں سے نوازتی حقیقتاً اس کی اس حرکت سے وہ بری طرح سلگ گئی تھی۔ جب گھر آئی تب بھی موڈ آف تھا لیکن پھرسی کی معصوم شرارتوں میں بہل بھی گئی تھی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

ٹھیک ایک ہفتے بعد وہ دوبارہ آیا تھا اور یہ تو وہی جانتی تھی کہ یہ سات دن اس نے کیسے گزارے تھے۔ ہر آہٹ پر اس کا گمان کر کے چونکی تھی اور اس کے بارے میں جانے کیا کچھ سوچ ڈالا تھا جب کہ اس کے بالکل برعکس عاطف علی کا وہی انداز تھا خالص پیشہ ورانہ۔

''جی تو کیا سوچا آپ نے؟''

''بہت کچھ۔'' وہ بے اختیار کہہ گئی۔

''اچھا!''

وہ اس خیال سے خوش ہوا کہ شاید وہ قائل ہو کر پالیسی لینے پر آمادہ ہوگئی ہے۔ ''مجھے یقین تھا آپ ضرور قائل ہو جائیں گی کیونکہ اس کے بے شمار فوائد ہیں جو......''

''ایک منٹ۔''

وہ اسے ٹوک کر دراز کھول کر اس میں مصروف ہوگئی پھر اپنے سامنے فائل کھولتے ہوئے بولی۔

''آپ پلیز مائنڈ نہیں کیجیے گا میں ذرا۔''

''اونو...... نیور مائنڈ آپ اطمینان سے اپنا کام کرلیں۔ میں انتظار کرسکتا ہوں۔''

اس نے یوں چیئر کی بیک سے ٹیک لگائی جیسے اگر وہ شام تک مصروف رہی تو وہ شام تک بیٹھا رہے گا۔

''تھینک یو۔'' وہ ذرا سا مسکرائی۔

پھر صفحات الٹتے ہوئے کن انکھیوں سے اسے دیکھا وہ آفس کا جائزہ لے رہا تھا۔

''آپ کب سے اسٹیٹ لائف سے وابستہ ہیں؟''

قدرے توقف سے اس نے یوں ہی خود کو مصروف رکھ کر پوچھا۔

''زیادہ عرصہ نہیں ہوا صرف تین مہینے ہی ہوئے ہیں۔''

''جاب کیا ہے آپ کی؟''

''یہی جو کرتا پھر رہا ہوں یعنی آپ جیسے بڑے لوگوں کو پالیسی لینے پر آمادہ کرنا۔''

''اب تک کتنے لوگ پالیسی لے چکے ہیں؟'' وہ ہنوز سرسری انداز میں بول رہی تھی۔

''ایک بھی نہیں'' اس نے حد درجہ مایوسی سے کہا۔

''کیوں؟''

''ادھر سے کوئی جواب نہیں آیا تو وہ سر اونچا کر کے اسے دیکھنے لگی۔ تب ہی چوکیدار چائے لے آیا تھا' اس نے ایک کپ اٹھا کر اس کے سامنے رکھا پھر اپنا کپ اٹھا کر ایک سپ لینے کے بعد پوچھنے لگی۔

''آپ وہاں تنخواہ دار ملازم ہیں یا کمیشن پر' معاف کیجیے گا میں ذاتی سوال پوچھ گئی ہوں۔''

''نیور مائنڈ...... میں تنخواہ دار ملازم نہیں ہوں' پالیسی فروخت کرنے کے عوض کمیشن......''

''پھر تو اب تک آپ کو کچھ حاصل نہیں ہوا ہوگا؟'' وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی'' بلکہ الٹا آپ کی جیب سے خرچ ہو رہا ہوگا۔''

‘‘جی......!’’

‘‘یہ تو کوئی جاب نہ ہوئی یا آپ مطمئن ہیں اس سے۔’’ وہ جیسے چائے کے دوران کوئی ہلکا پھلکا موضوع لے بیٹھی تھی۔ اس کا انداز ایسا ہی تھا۔

‘‘نہیں مطمئن تو نہیں ہوں لیکن کچھ نہ کرنے سے کچھ کرتے رہنا ہی بہتر ہے۔ ویسے اور کئی جگہوں پر بھی اپلائی کر رکھا ہے میں نے۔ جب کہیں بات بن گئی یہ......’’ آخر میں اس نے کندھے اچکائے تھے۔

‘‘کوالیفیکیشن کیا ہے آپ کی؟’’

‘‘ایم کام۔’’

‘‘پھر تو آپ کو کسی بینک میں ہونا چاہیے یا......’’ انٹرکام کی بزر سے اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

ایکسکیوزمی کہہ کر اس نے ریسیور اٹھا لیا۔ اور دوسری طرف کی بات سن کر کچھ کہے بغیر ریسیور رکھ دیا پھر اسے دیکھ کر اٹھتے ہوئے بولی۔

‘‘آئی ایم سوری میری میٹنگ ہے۔ آپ پھر کسی دن......!’’ اس نے قصداً بات ادھوری چھوڑ دی تو وہ بہت مایوس سا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا پھر ایک دم یاد آنے پر بریف کیس اس کی ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولا۔

‘‘آپ فارم تو لے لیں۔’’

‘‘سوری مجھے پالیسی نہیں لینی ہاں اگر آپ چاہیں تو ہماری فرم میں اپلائی کر سکتے ہیں اور اس کے لیے میں کسی دن نہیں بلکہ یہ کہوں گی کہ کل ہی اپنے ڈاکومنٹس لے آیئے گا۔’’ اس نے بہت سادہ سے انداز میں کہا پھر بھی وہ افسردگی سے مسکرایا۔

‘‘آپ مجھ پر رحم کھا رہی ہیں۔’’

‘‘بالکل نہیں آپ کی قوت برداشت کو دیکھتے ہوئے میں آپ کو آفر کر رہی ہوں اور یہ ایک اچھی آفر ہے۔ او کے کل ملاقات ہوگی۔’’

وہ اسے کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر بہت عجلت کا مظاہرہ کرتی ہوئی اس سے پہلے ہی کمرے سے نکل آئی تھی۔

اور اس نے یہ آفر اسے اپنے دل سے مجبور ہو کر کی تھی ورنہ وہ کوئی ایسی مردم شناس نہیں تھی نہ ہی چہرہ شناس جو اس کے چہرے پر لکھے مسائل دیکھ کر یہ سمجھ لیتی کہ وہ ہر صورت اس کی آفر قبول کرے گا۔ اس کے برعکس اسے ایک دھڑکا سا لگ گیا تھا کہ اگر اس نے انکار کر دیا تو پھر شاید وہ کبھی نہیں آئے گا۔ کیونکہ وہ پالیسی لینے سے منع کر چکی تھی۔ ورنہ اس سلسلے میں اس کی کل آمد ہو سکتی تھی۔

شام میں سنی کے ساتھ لان میں بال سے کھیلتے ہوئے وہ مسلسل اپنی غلطی پر افسوس کے ساتھ پچھتا بھی رہی تھی کہ زارا کے آنے سے کچھ دیر کو اس کا دھیان بٹ گیا۔

‘‘تم نے کیا خود کو آفس اور گھر تک محدود کر لیا ہے۔’’ زارا نے آتے ہی ٹوکا تھا۔

‘‘نہیں یار! اصل میں ممی اور ڈیڈی نہیں ہیں نا تو میں کچھ پابند سی ہو گئی ہوں۔’’ اس نے سنی کی طرف بال اچھالتے ہوئے کہا۔

‘‘آپی تو ہیں تمہارے پاس۔’’

‘‘انہوں نے ہی تو پابند کیا ہے مجھے۔ کہتی ہیں آفس سے سیدھی گھر آؤ ورنہ میں اپنے گھر چلی جاؤں گی۔ وہ بھی کیا کریں سارا دن اکیلی بور ہو جاتی ہیں۔

‘‘خیر تم سناؤ تمہارے بھیا کی شادی طے ہو گئی؟’’

‘‘ہاں ستمبر کی بارہ تاریخ طے ہوئی ہے اور میں تمہیں خاص طور پر یہی بتانے آئی تھی۔ تیاری کر رکھو زیادہ دن نہیں ہیں اور ہاں شادی میں تمہیں پورا ایک ہفتہ میرے گھر رہنا ہے۔ جیسے میں آپی کی شادی میں آئی تھی سمجھیں۔

‘‘ارے ہفتہ کیا مہینہ رہوں گی۔ ممی ڈیڈی کو تو آنے دو۔’’ وہ اسے اندر چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

‘‘کب تک آ جائیں گے انکل اور آنٹی۔’’ زارا نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا تو اس نے پہلے سنی کو پکار کر چلنے کو کہا پھر اس سے بولی۔

‘‘اگلے ہفتے آ رہے ہیں۔ ’’

‘‘انکل کی طبیعت کیسی ہے؟ ’’

‘‘اللہ کا شکر ہے پہلے سے بہت بہتر ہیں۔ رات فون پر بات ہوئی تھی ان سے انہوں نے ہی اپنے آنے کا بتایا ہے اچھا تم بیٹھو میں چائے کا کہہ آؤں۔ ’’ وہ اسے لاؤنج میں چھوڑ کر آگے بڑھ گئی کچھ دیر بعد واپس آئی تو اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے پوچھنے لگی۔

‘‘سنو تمہیں فراز یاد ہے؟ ’’

‘‘فراز ہمدانی جو یونیورسٹی میں ہمارے ساتھ تھا۔ ’’

زارا نے فوراً کہا تو وہ اثبات میں در ہلاتی ہوئی بولی۔

‘‘ہاں وہی کچھ دن پہلے اس کا فون آیا تھا میرے پاس۔ ’’

‘‘اچھا کیا کہہ رہا تھا؟ ’’ زارا نے اشتیاق ظاہر کیا۔

‘‘پتا نہیں، میری تو سمجھ میں نہیں آیا۔ پہلے کہنے لگا کہ ایک اشد ضرورت کے تحت تمہیں فون کیا ہے۔ میں نے ضرورت پوچھی تو بولا تمہارے پاس آ جاتا ہوں۔ اس کے بعد میں سارا دن انتظار کرتی رہی۔ آیا ہی نہیں اور فون بھی نہیں کیا۔ ’’

‘‘اور تم ابھی تک انتظار کر رہی ہو۔ ’’ زارا نے اس کا مذاق اڑایا تو وہ چڑ کر بولی۔

جی نہیں، میں نے صرف اسی دن اس کا انتظار کیا تھا اور وہ بھی اس لیے کہ اس نے آنے کے لیے کہا تھا اور ابھی ابھی مجھے اچانک اس کا خیال آ گیا ورنہ یاد بھی نہیں تھا۔ ’’

‘‘کم آن یار! میں نے تو یونہی مذاق میں کہہ دیا ورتم سیریس ہو گئیں، میں کیا تمہیں جانتی نہیں۔ تم انتظار کرنے کے لیے نہیں کروانے کے لیے پیدا ہوئی ہو۔ ’’

زارا اس کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے کہا تو وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔ ورنہ ہمیشہ ایسی باتوں پر گردن اکڑایا کرتی تھی۔

* * *

اس کے آفس سے نکلتے ہی وہ اس کی آفر پر غور کرنے لگا تھا جو اس کے لیے بالکل غیر متوقع نہیں تھی، کیونکہ گزشتہ تین مہینوں میں وہ انشورنس کے سلسلے میں جن جن لوگوں کے پاس گیا تھا وہاں سے ناکام ہو کر یہی سوچتا تھا کہ شاید کسی دن ایسے ہی کسی بڑے آدمی کے پاس اس کے لیے ویکنسی نکل آئے۔ ایک دو جگہوں پر اس نے دبے لفظوں میں خود سے کہا بھی تھا، لیکن بات نہیں بنی تھی جس سے وہ بس تھوڑی دیر کو مایوس ہوا تھا۔ کیونکہ وہ قسمت پر یقین رکھتا تھا۔ جس کام کا جو وقت مقرر کیا گیا ہے اسے اسی وقت پر ہونا ہے۔ انسان کا کام کوشش کرتے رہنا ہے۔ اماں سے بھی وہ یہی کہتا تھا کہ جب تک اس کی قسمت میں خواری لکھی ہے۔ وہ یونہی خوار ہوتا رہے گا۔

‘‘اور میری قسمت میں خواری یہیں تک تھی۔ ’’ اس نے گھر کی دہلیز پار کرنے سے پہلے خود سے کہا تھا۔ پھر اندر آتے ہی بریف کیس ایک طرف اچھال کر چلانے لگا۔

‘‘اماں، یہ قسمت مہربان ہو گئی۔ ’’

’’سچ بھیا! کتنے پیسے ملیں گے آپ کو۔‘‘ بیہ نے خوش ہو کر پوچھا تو وہ ایکدم سنجیدہ ہو گیا۔

’’کس بات کے؟‘‘

’’کس بات کس لیے کیا مطلب آپ ہی نے تو کہا تھا کہ ایک پالیسی۔‘‘

’’ارے پالیسی والیسی کو چھوڑو، مجھے نوکری مل گئی ہے۔ ایک اچھی فرم میں جہاں ہر مہینے تنخواہ ملے گی۔‘‘ آخری جملہ اس نے اماں کو دیکھ کر کہا تو وہ دوپٹہ پھیلا کر بولیں۔

’’اللہ تیرا شکر ہے۔‘‘

’’بس اماں آپ کی دعائیں کام آ گئیں۔‘‘ وہ برآمدے میں بچھے تخت پر ڈھے گیا۔

’’صرف اماں کی؟‘‘ بیہ نے شرارت سے کہا تو وہ سمجھ کر بھی انجان بن گیا۔

’’تمہاری بھی۔‘‘

’’میں اپنی بات تھوڑی کر رہی ہوں۔‘‘

’’پھر......؟‘‘ وہ مزید انجان بنا۔

’’اف کیسے انجان بن رہے ہیں، ٹھیک ہے میں بھی ہرگز ہرگز انہیں یہ خوشخبری سنانے نہیں جاؤں گی۔‘‘

بیہ روٹھ کر جانے لگی کہ اس نے جھپٹ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے پاس بٹھاتے ہوئے بولا۔

’’تم تو بالکل پاگل ہو بالکل، اب اماں کے سامنے میں کیا کہوں۔‘‘

’’جناب! اماں کو تو جیسے پتا ہی نہیں ہے۔ سب جانتی ہیں وہ، یہ بھی کہ اس روز آپ انہیں آئسکریم کھلانے لے گئے تھے۔‘‘

’’ہائیں......!‘‘ اس نے ٹپٹا کر اپنے پیچھے اماں کو دیکھا اور انہیں متوجہ نہ پا کر بیہ کو گھورتے ہوئے پوچھنے لگا۔ ’’اماں کو کس نے بتایا؟‘‘

’’مجھے کیا پتا، آپ پوچھ لیں اماں سے، میں نے نہیں بتایا۔‘‘

’’اچھا جاؤ کھانا نکالو، بھوک لگ رہی ہے۔‘‘ وہ بیہ کو دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔

پھر کھانے کے بعد وہ کچھ دیر آرام کی غرض سے لیٹا تو سو گیا۔ شاید ایک بڑا مسئلہ حل ہو جائے گا اطمینان تھا جب ہی گہری اور پرسکون نیند آئی تھی۔ شام میں بیہ نے اٹھایا تو وہ یہی سمجھا کہ صبح ہو گئی ہے ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

’’ارے مجھے تو آج آفس جانا ہے۔‘‘

’’کیا مطلب آپ کی نائٹ ڈیوٹی ہے کیا؟‘‘ بیہ نے سیدھے سادے انداز میں پوچھا۔

’’نائٹ......!‘‘ اس نے دروازے سے باہر نظر آ ڈالی پھر دوبارہ پلنگ پر گرتے ہوئے بولا۔ ’’لاحول ولا، میں سمجھا صبح ہو گئی۔‘‘

’’صبح یعنی سحر!‘‘ بیہ نے شرارت سے کہا تو وہ بے ساختہ مسکرایا پھر پوچھنے لگا۔

’’تم گئی تھیں سحر کے پاس؟‘‘

’’اماں نے جانے ہی نہیں دیا کہنے لگیں میرے ساتھ چلنا اور وہ پتا نہیں کب جائیں گی، بھیا آپ لے چلیں ناں، ایمان سے بہت دل چاہ رہا ہے ان سے ملنے کو۔‘‘ بیہ اس کے پاس بیٹھ کر لجاجت سے بولی۔

’’میں تو لے جانے کو تیار ہوں لیکن اماں نے جو منع کر دیا ہے۔‘‘

’’وہ تو میرے اکیلے جانے کو منع کیا ہے۔ آپ کے ساتھ تھوڑی کچھ کہیں گی۔ پوچھ آؤں ان سے؟‘‘

’’ہاں لیکن میرا نام نہیں لینا۔‘‘ اس نے ہامی بھر کر تنبیہ بھی کی۔

’’آپ ہی کا نام لوں گی۔ کہوں گی کہ آپ کو انوار چچا سے کوئی کام ہے۔‘‘ بیہ کہتی ہوئی بھاگ گئی تو اس نے بھی تیار ہونے میں دیر نہیں لگائی تھی، کیونکہ جانتا تھا کام کا سن کر اماں منع نہیں کریں گی۔

انور چچا سے اس کے ابا کی رشتہ داری تو دور پرے کی تھی، لیکن دوستوں میں وہ سرفہرست تھے۔ دوسرے اور رشتہ داروں کی نسبت ان کا گھر بھی قریب تھا اس لیے ان کے ہاں آنا جانا بھی زیادہ تھا، ابا کی زندگی میں تو انوار چچا تقریباً روز ہی آتے تھے اور ابا کے بعد ہی یہ سلسلہ کافی

عرصے تک چلا تھا پھر آہستہ آہستہ اس میں کمی آتی گئی' یعنی روزانہ کے بجائے ہر تیسرے دن پھر ایک ہفتے بعد اور اب تو وہ آتے بھی تھے تو کھڑے کھڑے سب کی خیر خیریت پوچھ کر چلے جاتے۔

لیکن ان کی محبت اور خلوص میں کمی نہیں آئی تھی۔ بس بے چارے اپنی بیوی کی وجہ سے مجبور تھے' جنہیں ان کا یہاں آنا پسند نہیں تھا اور نہ ہی وہ ان لوگوں کے جانے سے خوش ہوتی تھیں۔ عجیب روکھا پھیکا سا رویہ ہوتا تھا ان کا' جسے وہ اور بیہ بھی صرف سحر کی خاطر برداشت کر رہے تھے ورنہ کبھی بھولے سے بھی ان کے گھر کا رخ نہ کرتے اس وقت بھی وہ سحر کی خاطر ہی آئے تھے اور آج کا دن اس کے لیے بڑا مبارک تھا قسمت ساتھ دے رہی تھی کہ اس کی خواہش کے مطابق گیٹ سحر نے کھولا تھا۔

''میں یہ ہرگز نہیں کہوں گا کہ کاش میں کچھ اور مانگ لیتا۔'' اس نے سحر کو دیکھتے ہی خوش ہو کر کہا تو وہ اس کا مطلب سمجھ کر ذرا سا مسکرائی۔

''کیا مطلب ہے آپ کا۔''

''کوئی مطلب نہیں ہے چلو تم اندر جاؤ۔'' وہ بیہ کو آگے دھکیل کر سحر کی طرف متوجہ ہوا تو وہ جلدی سے بولی۔

''آپ بھی چلیں نا۔''

''کہاں'' وہ شرارت سے مسکرایا۔

''اندر' ابو کے پاس۔''

''چلا جاؤں گا پہلے تم سے تو مل لوں۔ پتا ہے تمام راستہ یہی دعا کرتا آیا ہوں کہ پہلے تم سے ملاقات ہو جائے اور اس سے پہلے کہ تمہاری امی پکار لیں سن لو کہ میں کل سے آفس جوائن کر رہا ہوں۔ باقی تفصیلات بعد میں بتاؤں گا۔''

''آفس۔'' وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''آفس۔ جاب مل گئی ہے مجھے ایک اچھی فرم میں۔'' اس نے بتایا تو وہ خوش ہو گئی۔

''سچ۔'' تب ہی اندر سے اس کی امی نے پکارا تو وہ گھبرا کر بھاگ گئی اور اس کا دل چاہا یہیں سے واپس لوٹ جائے لیکن بیہ اندر تھی مجبوراً اسے بھی جانا پڑا۔

''السلام علیکم چچا جان!''

''جیتے رہو میاں! خوش رہو' بڑے دنوں بعد آئے۔''

انوار چچا نے ہمیشہ کی طرح بہت محبت سے دعائیں دے کر کہا تو اس سے پہلے ان کی بیگم بول پڑیں۔

''لو ابھی پرسوں ہی تو آیا تھا۔''

اس سفید جھوٹ پر بیہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا کہ اس نے اشارے سے منع کر دیا اور انوار چچا کے پاس بیٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

''بس چچا جان وقت ہی نہیں ملتا۔ آج اتفاق سے جلدی گھر آ گیا تو دیکھیں آپ کے پاس بھی آ گیا ہوں۔''

''اماں کیسی ہیں تمہاری؟''

''ٹھیک ہیں' سلام کہہ رہی تھیں آپ کو اور چچی جان آپ کو بھی۔''

''وعلیکم السلام وعلیکم السلام۔''

انوار چچا نے دوسری بار غالباً بیگم کی طرف سے جواب دیا تھا۔ پھر پوچھنے لگے۔

''کام کیسا چل رہا ہے تمہارا؟''

''بھیا کو جاب مل گئی ہے چچا جان؟'' اس سے پہلے بیہ بول پڑی۔

''اچھا مبارک ہو کہاں ملی ہے؟''

انوار چچا پوری تفصیل پوچھنے بیٹھ گئے۔ وہ انہیں جواب دینے کے ساتھ چچی کے تاثرات دیکھتا جا رہا تھا جو اس کے لیے خاصے مایوس کن تھے۔ گویا انہیں کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی پھر جیسے ہی سحر چائے لے کر آئی وہ اٹھ کر چلی گئیں۔ اب پتا نہیں انہیں کوئی کام یاد آ گیا تھا یا ان کے لیے چائے آنے پر ناگواری کا اظہار تھا۔ اسے بہر حال بہت برا لگا اور چائے پینے کو دل ہی نہیں

چاہا۔ بس انورا چچا کی محبت تھی جو مجبور کر دیتی تھی۔ چائے کے بعد وہ کھانے پر رکنے پر بھی اصرار کرنے لگے تھے، لیکن وہ اماں کے اکیلے ہونے کا بہانہ کر کے اٹھ گیا تھا۔

’’کتنی بد اخلاق ہیں چچی اور بد دماغ بھی‘‘ حسبِ سابق باہر آتے ہی بیہ بولنا شروع ہوگئی تھی۔

’’انوار چچا کوئی اتنے امیر کبیر نہیں ہیں‘ اگر بنگلے گاڑی والے ہوتے تب تو چچی باہر سے ہی لوٹا دیتیں۔ بس بھیا اب آپ کی جاب لگ گئی ہے ناں تو پہلی فرصت میں سحر آپی کو لانے کا سوچیں۔ وہ جب ہمارے گھر آ جائیں گی تب میں بھی چچی کے ساتھ ایسا ہی سلوک کروں گی‘ چائے تک نہیں پوچھوں گی۔ بتائیں بھلا یہ کوئی بات ہے۔ اتنا بھی نہیں سوچتیں کہ ان کی بیٹی کو آخر ہمارے گھر آنا ہے۔‘‘

وہ خاموشی سے سنتا رہا تھا۔ ٹوکا یوں نہیں کہ جانتا تھا جو کچھ وہ کہہ رہی ہے اس پر عمل کبھی نہیں کر سکے گی اور وہ خود گو کہ اسے بھی چچی کا رویہ خاصا گراں گزرتا تھا۔ لیکن وہ ان کے بارے میں نہیں سوچتا تھا کہ وہ ایسی کیوں ہیں یا یہ کہ وہ صرف ان ہی کے ساتھ ایسا رویہ رکھتی ہیں یا دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی ان کا رویہ ایسا ہی ہے وغیرہ وغیرہ اور نہ کبھی اس نے سحر پر جتایا تھا۔ کبھی وہ اپنے آپ ہی معافی مانگتی تو اسے بھی ٹوک دیتا تھا۔ کبھی ہنس کر کہتا کہ ’’جب میں برا نہیں مانتا تو تم کیوں پریشان ہوتی ہو؟‘‘

’’کبھی برا مان بھی سکتے ہیں؟‘‘ وہ ایسے کسی لمحے سے خائف تھی۔

’’ہاں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں تم سے خفا ہو جاؤں گا۔ کبھی نہیں‘ تم سے خفا ہونے کا تسور میرے لیے موت سے بڑھ کر ہے۔‘‘

اس نے کہا تھا اور یہ بات اس نے محض اس کا دل رکھنے کے لیے یونہی نہیں کہہ دی تھی وہ واقعی اس سے بے پناہ محبت کرتا تھا اور اس کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتا تھا۔ یعنی اسے بہتر زندگی دینے کے لیے۔ اور گو کہ سحر کے ساتھ اس کی نسبت ابا کی زندگی میں انوار چچا کی خواہش پر طے ہوئی تھی اور اس وقت چچی نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ ابھی ابھی وہ اس رشتے کے خلاف

کچھ نہیں بولتی تھیں‘ پھر بھی وہ جلد سے جلد شادی کر لینا چاہتا تھا۔ اور شادی کرنے کے لیے ظاہر ہے پہلے اسے اپنی پوزیشن مستحکم کرنی تھی۔

اس کوشش میں تین مہینے تو وہ خوار ہی ہوا تھا اور اب صبح جہاں اسے جانا تھا وہاں اس کے خیال میں وہ اپنی محنت سے جلد کوئی اچھی پوسٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اسے عاطف علی کے آنے کا کچھ زیادہ یقین نہیں تھا۔ جب ہی یہ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ اب وہ اسے کہاں ڈھونڈے گی۔ پھر پالیسی نہ لینے پر بھی غصہ آ رہا تھا کہ اسی بہانے اس کا آنا جانا رہتا تو وہ اسے قریب سے دیکھ اور جان سکتی تھی۔ بہرحال وہ اپنے وقت پر آفس آئی تھی اور جب عاطف علی کو پہلے سے اپنے انتظار میں دیکھا تو نہ صرف اس کی ساری کوفت دور ہو گئی بلکہ ایک انجانی خوشی کا احساس بھی ہوا تھا۔

’’السلام علیکم!‘‘

عاطف علی اسے دیکھتے ہی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تو وہ سلام کا جواب دے کر اسے ساتھ آنے کا کہتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی اور بیٹھنے کے بعد اسے دیکھا تو وہ خاصا مؤدب کھڑا تھا اور اس کا یہ انداز اسے بالکل اچھا نہیں لگا۔ فوراً بولی تھی۔

’’پلیز بیٹھ جائیں۔‘‘

’’تھینک یو۔‘‘

اس نے بیٹھتے ہی اپنے ڈاکومنٹس والا لفافہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ جس پر وہ ایک نظر ڈال کر بولی۔

’’مجھے خوشی ہے کہ آپ نے میری آفر قبول کر لی اور میں امید کرتی ہوں کہ آپ کو بھی ہمارے ساتھ کام کر کے خوشی ہو گی۔‘‘

’’شیور۔‘‘ وہ اسے دیکھ کر الجھ رہا تھا۔

’’معاف کیجیے گا ایک بات پوچھوں۔‘‘

’’جی؟‘‘

وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

’’اس فرم کو آپ آئی مین آر یو مینجنگ ڈائریکٹر؟‘‘

’’نو۔‘‘ وہ بے ساختہ مسکرائی پھر کہنے لگی۔

’’میرے ڈیڈی ہیں۔ ان کا بائی پاس ہوا ہے اور اس ہفتے وہ انشاء اللہ واپس آ جائیں گے۔‘‘

’’اور آپ؟‘‘

’’میں بھی یہیں ہوتی ہوں۔ ڈیڈی کے ساتھ۔ گزشتہ سال میں نے بی بی اے کیا تو اس کے بعد ڈیڈی مجھے باہر بھیجنا چاہتے تھے‘ لیکن میں نہیں گئی اور اس وقت سے ڈیڈی کے ساتھ لگ گئی۔ یہ اچھا ہوا کہ اب ان کی غیر موجودگی میں‘ میں نے سارا کچھ سنبھال لیا ورنہ کتنا نقصان ہوتا۔‘‘ اس نے مختصراً اپنے بارے میں بتا کر بیل کا بٹن پش کیا تو فوراً ہی چپراسی اندر آ گیا۔

’’فاروقی صاحب کو بھیجو۔‘‘ وہ چپراسی سے کہہ کر دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوئی تو وہ قدرے جھجک کر کہنے لگا۔

’’آپ مجھے اپائنٹ کریں گی اس پر اگر آپ کے فادر نے۔‘‘

’’نہیں‘ انہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔‘‘ وہ فوراً بول پڑی۔ تب ہی فاروقی صاحب اندر

داخل ہوئے تو وہ ان کی طرف متوجہ ہوگئی۔

’’فاروقی صاحب! یہ عاطف علی ہیں۔ میں نے انہیں طارق کی جگہ اپائنٹ کیا ہے۔ آپ انہیں اپائنٹ منٹ لیٹر دے کر ان کی جگہ دکھا دیں اور کام بھی سمجھا دیں۔‘‘ پھر اسے دیکھ کر بولی۔ ’’او کے عاطف علی۔‘‘

’’تھینک یو' تھینک یو سوچ۔‘‘ وہ اٹھ کر فاروقی صاحب کے ساتھ چلا گیا۔ تو وہ چیئر کی بیک پر سر رکھتے ہوئے دھیرے سے بڑبڑائی۔

’’شکریہ تو مجھے تمہارا ادا کرنا چاہیے عاطف علی! کہ تم نے آ کر مجھے زندہ کر دیا۔‘‘

’’تم کون ہو' کیا ہو' میں کچھ نہیں جانتی۔

میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ میں تمہاری ہوں۔‘‘

اس کے اندر ایک الوہی سی خوشی رقص کرنے لگی تھی' گو کہ بچپن سے اب تک اس کی کوئی خواہش رد نہیں ہوئی تھی۔ اس نے جو چاہا' پایا تھا۔ لیکن ایسی خوشی کا احساس اسے کبھی نہیں ملا تھا شاید اس لیے کہ پہلے کبھی وہ کھو دینے کے خوف میں مبتلا نہیں ہوئی تھی۔ جیسے کل سارا دن وہ اس کے نہ آنے کے خیال سے خوف اور اندیشیوں میں گھری رہی تھی۔ جن سے نکلتے ہی اب اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اپنے سب دوستوں کو بتائے کہ اس کی زندگی میں وہ شخص آ گیا ہے' جس کا اس سے زیادہ ان سب کو انتظار تھا اور یہ حقیقت بھی تھی۔ خود اس نے کبھی ایسا نہیں سوچا تھا کہ اچانک کوئی ایک پل میں اس کی پوری ہستی پر چھا جائے۔ جبکہ اس کے دوست جن میں لڑکے لڑکیاں دونوں شامل تھے۔ سب کا ہی کہنا تھا کہ اس کے ساتھ ایسا ہی کوئی حادثہ ہوگا اور وہ سب شدت سے اس دن کے منتظر بھی تھے۔ اس لیے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ سب کو ایک جگہ جمع کر کے کہے کہ تم سب انتظار ختم ہوا میرے ساتھ واقعی یہ حادثہ ہو گیا ہے۔ اس کے بعد وہ عاطف علی کا ہاتھ تھام کر سب کے سامنے لے جائے۔

’’اف کتنا مزہ آئے گا جب سب عاطف علی کو دیکھ کر......‘‘ وہ اس منظر کو سوچ کر خوش ہو رہی تھی کہ اچانک اسے عاطف علی کے عام سے حلیے کا خیال آ گیا گو کہ اس روز زار کی پارٹی میں وہ عام سے کپڑوں میں بھی سب میں نایاب لگ رہا تھا' لیکن کہنے والے تو بہت کچھ کہہ سکتے تھے اور وہ یہ ہرگز نہیں سننا چاہتی تھی کہ اس کی ہستی پر چھا جانے والا ایک عام سا شخص ہے۔

اور بس اسی خیال کے تحت اس نے اس حادثے کا اعلان کرنے کا پروگرام ملتوی کر دیا' لیکن آپی سے کہے بغیر نہیں رہ سکی۔ رات میں جب وہ سنی کو سلا کر اس کے پاس آ کر بیٹھیں تو وہ ان کی گود میں سر رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

’’آپی! اس روز آپ انکل شعیب کے بیٹے کی بات کر رہی تھیں نا میں نے دیکھا ہے اسے۔ ٹھیک ہے' اچھا ہے لیکن میں اس سے شادی نہیں کروں گی۔

آپ ممی سے کہیے گا انکل شعیب کو صاف منع کر دیں۔‘‘

’’لیکن کیوں؟‘‘ آپی نے اس کے چہرے سے بال ہٹاتے ہوئے پوچھا تو وہ خوب صورت مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

’’کیونکہ مجھے عاطف علی پسند ہے۔‘‘

’’عاطف علی۔ یہ نام پہلے نہیں سنا کون ہے؟‘‘ آپی نے ایک لمحے میں اس کے سارے دوستوں کو سوچ ڈالا تھا۔

’’میں نہیں جانتی' لیکن آپ جان لیں کہ وہ جو کوئی بھی ہے مجھے بے حد پسند ہے۔ میں اس کے ساتھ ساری زندگی بتانا چاہتی ہوں۔‘‘

’’وہ تو ٹھیک ہے لیکن۔‘‘ آپی الجھ گئیں۔

’’تم نے اسے کہاں دیکھا۔‘‘

’’وہ۔‘‘ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ’’وہ ہمارے آفس آیا تھا' وہ کسی انشورنس کمپنی میں ملازم تھا اور اسی سلسلے میں آیا تھا۔ مجھے وہ پہلی نظر میں ہی اچھا لگا بلکہ یوں لگا جیسے میں ہمیشہ سے اسی تلاش میں تھی۔‘‘

’’پھر تم نے اس کا اتا پتا معلوم کیا؟‘‘

’’نہیں۔ میرا مطلب ہے وہ تو معلوم ہو جائے گا کیونکہ اب وہ ہمارے آفس میں آ گیا ہے۔‘‘

‘‘وہ انشورنس کمپنی میں تھا اب تمہارے آفس میں آ گیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تم کیا کہہ رہی ہوں۔’’ آپی مزید الجھ کر جھنجھلا گئیں۔

‘‘اس میں سمجھ میں آنے والی کیا بات ہے۔ وہ اپنی جاب سے مطمئن نہیں تھا۔ میں نے اسے اچھی جاب کی آفر کر دی جو اس نے قبول کر لی اور آج ہی آفس بھی جوائن کر لیا۔’’ اس نے خوش ہو کر بتایا تو آپی حیران رہ گئیں۔

‘‘کمال ہے۔ یعنی تم نے ڈیڈی سے پوچھے بغیر۔’’

‘‘کم آن آپی! ڈیڈی مجھے سارے اختیارات دے چکے ہیں اور پھر میں نے کسی ایسے ویسے بندے کو اپائنٹ نہیں کیا۔ آپ دیکھیے گا اسے دیکھ کر ڈیڈی خوش ہو جائیں گے۔’’

‘‘ابھی تو تمہاری خوشی دیدنی ہے۔’’ آپی اس کے بازو میں چٹکی کاٹتے ہوئے بولیں۔

‘‘اور اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں ہمیشہ ایسی ہی خوش نظر آؤں تو ممی ڈیڈی سے کہیے گا کوئی اعتراض نہ اٹھائیں۔’’ اس نے کہا تو آپی کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگیں۔

‘‘اعتراض تو وہ ضرور اٹھائیں گے گڑیا! کیونکہ تمہارے لیے بہت اچھے اچھے پرپوزل موجود ہیں۔ ان کے مقابلے مین وہ۔ کیا نام بتایا ہے تم نے اس کا۔’’

‘‘عاطف علی۔’’

‘‘ہاں عاطف علی کی حیثیت۔ میرا مطب ہے وہ ڈیڈی کی فرم میں ملازم ہی ہے نا۔’’ آپی براہ راست اسے ملازم کہنے سے رہ گئیں۔ لیکن وہ سمجھ گئی تھی۔ جب ہی خفگی سے بولی۔

‘‘فرم میں ملازم ہے نا، ہمارے گھر کا نوکر تو نہیں ہے۔ پھر میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ وہ کون ہے اور اس سے پہلے کیا کرتا رہا ہے نہ اس کا فیملی بیک گراؤنڈ جاننے سے دلچسپی ہے۔’’

‘‘اچھا بابا اچھا ناراض کیوں ہوتی ہو۔ میں ممی ڈیڈی سے صرف کہوں گی ہی نہیں، بلکہ انہیں قائل بھی کروں گی۔ ویسے ہے کیسا، میرا مطلب ہے دیکھنے میں کیسا لگتا ہے۔’’ آپی نے اسے سمجھاتے ہوئے پوچھا۔

‘‘بہت اچھا ساری دنیا سے اچھا۔’’ اس کی آنکھیں غالباً اس کے تصور سے چمکنے لگی تھیں۔ آپی اسے دیکھ کر ہنس پڑیں۔

اور پھر اگلے دن آفس آتے ہی اس نے پہلے عاطف علی کا بائیو ڈیٹا نکال کر دیکھا کل تو اس نے یونہی دراز میں ڈال دیا تھا اور ابھی بھی اسے اور کسی بات سے دلچسپی نہیں تھیں صرف اس کا ایڈریس معلوم کرنا چاہتی تھی تاکہ اس کی کلاس کا اندازہ کر سکے اور ظاہر وہ مڈل کلاس سے تعلق رکھتا تھا۔ جس کے بارے میں اس نے سن رکھا تھا کہ سب سے قابل رحم طبقہ جن کی ساری زندگی مسائل سے لڑنے میں گزر جاتی ہے۔

وہ باقاعدہ اس کے مسائل سوچنے میں لگ گئی۔

بوڑھے بیمار ماں باپ اتنے بہت سارے بہن بھائی اور وہ اکیلا کمانے والا۔ وہ اس کے پورے گھر کا نقشہ کھینچے بیٹھی تھی کہ وہ آ گیا۔

‘‘السلام علیکم۔’’ وہ آواز پر چونکی تھی پھر اسے دیکھا تو وہ معذرت کرتے ہوئے بولا۔

‘‘سوری، میں نے شاید آپ کو ڈسٹرب کیا۔’’

‘‘نہیں۔’’ وہ خجالت چھپانے کو یوں ہی گھڑی دیکھنے لگی۔

‘‘ائی ایم سوری، میں آج دوسرے ہی دن لیٹ ہو گیا۔ اصل میں اس وقت بسوں میں رش بہت ہوتا ہے۔ ایک گھنٹہ تو میں اسٹاپ پر کھڑا رہا۔’’ وہ اس کے گھڑی دیکھنے سے یہی سمجھا تھا کہ اس کے دیر سے آنے کو جتا رہی ہے۔ جب ہی صفائی پیش کرنے لگا۔

‘‘میرے سامنے سے اتنی بسیں گزر گئیں۔ کسی ایک میں پیر رکھنے کی جگہ نہیں تھی۔ آخر میں۔’’

‘‘پلیز۔’’ اس نے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کر دیا، جس سے ٹوکنا ظاہر نہیں ہوا۔ لیکن وہ سمجھ گیا تھا جب ہی بیٹھا تو کچھ بولا نہیں۔

‘‘کیسا لگا آپ کو آفس اور سب لوگ؟’’ اسے فوراً ہی بات سمجھ میں آئی تھی۔

‘‘بہت اچھا اور بہت اچھے۔’’

‘‘اگر کوئی پرابلم ہو تو بلا جھجک کہہ دیجیے گا۔’’

''اوکے میڈم سوری' مس۔'' اس نے کہہ کر فوراً تصحیح بھی کی تو وہ بے ساختہ بولی۔

''رجاء! آپ مجھے رجاء کہہ سکتے ہیں۔''

''رجاء اچھا نام ہے۔'' اس کی دھیمی آواز میں کہی تھی' خود کلامی پر وہ دھیرے سے مسکرائی۔ تب ہی فون کی بیل بج اٹھی تو اسے جانے کا کہہ کر اس نے ریسیور اٹھالیا۔

''ہیلو!''

''رجاء! میں ہوں فراز۔'' ادھر سے فراز کی آواز سنتے ہی وہ چیخ پڑی۔

''فراز تم بہت بدتمیز ہو۔ اس روز آنے کا کہہ کر نہیں آئے میں شام تک تمہارا انتظار کیا تھا۔ کم از کم فون ہی کر دیتے۔''

''ہاں کرنا تو چاہیے تھا لیکن۔ آئی ایم سوری رجاء۔ اصل میں اس روز جب میں تمہارے پاس آنے والا تھا۔ اسی دن میرے فادر کی ڈیتھ ہوگئی اس کے بعد۔''

''اوہ آئی ایم ویری سوری۔'' اس نے فوراً افسوس کا اظہار کیا۔ ''میرے پاس تمہارا نمبر نہیں تھا ورنہ میں خود تمہیں فون کر لیتی۔ تم کہاں ہو! آئی مین تمہارا گھر۔ میں تمہارے پاس آؤں گی۔''

''ابھی نہیں رجاء! میں اصل میں یہ گھر چھوڑ رہا ہوں۔ پھر نئی جگہ کا پتا تمہیں دوں گا تب تم آنا اوکے۔''

''اوکے اور دیکھو' تم اپنا خیال رکھنا اور ہاں یہ مت سمجھنا کہ اب تمہارا کوئی نہیں ہے۔ ہم سب تمہارے ہیں۔'' اس نے بڑے خلوص سے کہا۔ تو فراز نے شکریہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

* * *

اسے آفس جوائن کیے ہوئے تقریباً بیس دن ہو گئے تھے اور ابھی تک اس کے اصل باس یعنی رجاء کے ڈیڈی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ وہ پاکستان تو آ چکے تھے۔ لیکن ابھی آفس آنا شروع نہیں کیا تھا اور اسے ان سے ملنے کا اشتیاق تو نہیں تھا۔ بس ان کی طرف سے یہ اطمینان چاہتا تھا کہ اس کی اپائنٹ منٹ پر انہیں کوئی اعتراض نہیں ہو۔ گو کہ یہ اطمینان اسے اول روز رجاء نے دلایا تھا اور پھر وقتاً فوقتاً اس کے کام کو سراہتے ہوئے وہ یہ بھی کہتی رہی تھی کہ ڈیڈی اس سے مل کر نہ صرف خوش ہوں گے بلکہ پروموٹ کرنے کے ساتھ بہت ساری فیسلیٹیز بھی دیں گے۔ اس کے باوجود اس کے اندر خدشہ سا تھا کہ پتا نہیں سیٹھ صاحب' بیٹی کی بات رکھتے ہیں یا اسے صاف جواب دے دیں گے اور یہ عجیب سی یقین اور غیر یقینی کی سی کیفیت تھی جس سے وہ نکلنا چاہتا تھا کہ جو ہوتا ہو جائے اسی لیے وہ ہر روز رجاء سے اس کے ڈیڈی کی خیریت کے ساتھ یہ بھی ضرور پوچھتا تھا کہ وہ کب سے آفس آ رہے ہیں۔

اور اس کا کوئی ایک جواب نہیں ہوتا تھا۔ کبھی کہتی ایک دو دن میں آئیں گے اور کبھی

کہتی نہیں ابھی انہیں ریسٹ کی ضرورت ہے۔ لیکن ابھی وہ خوش ہو کر بولی تھی۔

‘‘آج ہی، کسی بھی وقت آ جائیں گے۔ اصل میں ابھی انہیں چیک اپ کے لیے جانا تھا ورنہ میرے ساتھ ہی آتے۔’’

اور وہ اسی وقت سے خالصا الرٹ ہو گیا، بلکہ خود کو ہر دو صورتوں کے لیے بھی تیار کر لیا تھا۔ پھر بھی جب گیارہ بجے کے قریب باس کے کمرے سے اس کا بلاوا آیا تو وہ دل ہی دل میں جان کی سلامتی کی دعائیں مانگتا ہوا ان کے کمرے میں آیا تھا۔

‘‘السلام علیکم۔’’

انہوں نے سرتاپا اسے دیکھنے کے بعد سلام کا جواب دیا پھر بیٹھنے کا اشارا کرتے ہوئے بولے۔

‘‘تو تمہیں رجاء نے اپائنٹ کیا ہے۔’’

‘‘یس سر۔’’

‘‘گڈ۔ فاروقی صاحب نے تمہارے کام کی تعریف کی ہے۔ امید ہے تم اسی طرح محنت اور لگن سے کام کرو گے۔’’

‘‘یس سر! انشاءاللہ آپ کو کبھی شکایت نہیں ہو گی۔’’ وہ ایک پل میں مطمئن ہو کر خوش ہو گیا۔

‘‘او کے۔’’ انہوں نے مسکرا کر گویا اس کی جاب پکی کر دی۔

اس شام وہ بہت خوش گھر آیا تھا اور آگے اماں کے پاس سحر کو بیٹھے دیکھ کر تو اور بے اختیار ہو گیا۔

‘‘اماں۔ یہ آج چاند کدھر سے نکل آیا۔’’

‘‘ہائیں۔’’ اماں نے اس کی بدلحاظی پر گھورتے ہوئے ٹوکا۔ ‘‘باؤلا ہو گیا ہے کیا۔’’

‘‘اس سے بھی کچھ زیادہ اماں! میرا دل چاہ رہا ہے ناچوں گاؤں اور۔’’

‘‘کیوں قارون کا خزانہ ہاتھ آ گیا ہے کیا؟’’ اماں بول پڑیں تو وہ جھنجھلا گیا۔

‘‘اُفوہ آپ بس ٹوکتی رہیے۔ پوری بات نہیں سنیے گا۔’’

‘‘کوئی ڈھنگ کی بات کرو تو سنو۔’’

‘‘ڈھنگ کی بات یہ ہے کہ آج میری نوکری پکی ہو گئی۔’’ وہ موڑھا کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

‘‘اللہ تیرا شکر ہے۔’’ اماں نے دوپٹہ پھیلا کر شکر کرنے لگیں تو وہ جلدی سے بولا۔

‘‘ایسے نہیں اماں! نفل پڑھیں شکرانے کے، دیکھیں اذان بھی ہو رہی ہے۔’’

اماں اذان کی آواز سن کر اٹھ گئیں تو وہ سحر کو دیکھ کر شرارت سے ہنسا پھر پوچھنے لگا۔

‘‘تم کیسے آئیں؟’’

‘‘ابو کے ساتھ۔’’

‘‘ارے انوار چچا، نظر نہیں آئے کہاں گئے؟’’ وہ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

‘‘ڈاکٹر کے پاس۔’’ سحر نے بتایا تو وہ ایک سنجیدہ ہو گیا۔

‘‘خیریت؟’’

‘‘ہاں بس’’ کھانسی، بخار میں نے تو کل ہی ان سے کہا تھا دوا لے لیں لیکن نہیں مانے۔ آج میں زبردستی لے کر نکلی تو مجھے یہاں چھوڑ دیا۔’’

‘‘خیر یہ تو انہوں نے بہت اچھا کیا۔’’ وہ فوراً بول پڑا تو وہ کچھ انجان سی بن کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

‘‘سنو کالج جا رہی ہو؟’’ وہ اس سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔

‘‘ہوں۔ ادھر سے مختصر جواب آیا۔

‘‘امتحان کب ہیں تمہارے؟’’

‘‘ابھی تو دور ہیں۔’’

‘‘کتنی دور؟’’

‘‘کیوں، آپ کو میرے امتحانوں سے کیا دلچسپی ہے۔’’ وہ کچھ اکتا کر بولی۔

‘‘میرا معاملہ تمہارے امتحانوں تک جو اٹکا ہوا ہے۔ تمہاری امی نے یہی کہا تھا نا کہ جب

تک تم بی اے نہیں کر لیتیں' شادی کی بات نہیں ہوگی۔'' اس نے بڑے سیدھے سادے انداز میں بات پوری کی' لیکن جب اسے جھینپتے دیکھا تو شرارت سے بولا۔

''اب خدا کے لیے اسی سال بی اے کر لینا۔ کہیں چار سال لگا دیے تو میرا تو کام بن گیا۔''

''اف' یہ بیہ پتا نہیں کیا کرنے لگی' میں دیکھتی ہوں۔'' وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

''ہاں دیکھو' تمہارے دیکھے بنا تو وہ کچھ کر ہی نہیں سکتی۔''

''اور کیا۔'' وہ رکی نہیں سیدھی کچن میں چلی گئی۔ تو وہ بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

* * *

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ جیسا کہ رجاء نے اس سے کہا تھا کہ اس کے ڈیڈی اس کی بہتر کارکردگی سے خوش ہو کر نہ صرف اسے پروموٹ کریں گے' بلکہ اور فیسلیٹیز بھی دیں گے تو دو مہینے گزرنے کے بعد بھی ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

البتہ باس محسن صاحب اس سے خوش بہت تھے۔ اس کے کام کو فراخدلی سے سراہتے اور کسی کسی وقت اسے لگتا جیسے وہ اس پر کوئی اضافی ذمہ داری ڈال کر اس کی صلاحیت کو آزمانا چاہ رہے ہوں۔ ایسے میں وہ بہت ہوشیار ہو جاتا تھا اور اب تک تو انہیں شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ یوں بھی اس کے اندر سیکھنے اور آگے بڑھنے کی لگن تھی۔ پھر ایمانداری اور وفاداری تو گویا اس کی گھٹی میں پڑی تھی۔ بہرحال وہ اپنے کام سے خوش تھا۔ اس کے اندر یہ خواہش نہیں تھی کہ وہ ایک دم سے سیڑھیاں پھلانگتا ہوا بہت اوپر چلا جائے۔ بلکہ وہی بات کہ جس کام کا جو وقت مقرر کیا گیا ہے' وہ اپنے اسی وقت پر ہونا ہے۔

پھر گھر کی گاڑی سہولت سے چل رہی تھی۔ کوئی اتنے زیادہ افراد نہیں تھے جو اسے کہیں

اور بھی ہاتھ پیر مارنے پڑتے۔ جس سے وہ گھن چکر بن کر رہ جاتا۔ بیہ کے بارے میں سوچتا ضرور تھا، لیکن پریشان نہیں تھا۔ کیونکہ ابھی تو وہ انٹر میں پڑھ رہی تھی اور وہ اسے بی اے ضرور کرانا چاہتا تھا کیونکہ یہ ابا کی خواہش بھی تھی۔

اس لیے اماں بھی کوئی جلدی نہیں مچا رہی تھی۔ ورنہ اسے اپنی شادی سے پہلے بیہ کو رخصت کرنے کی فکر ہوتی اور اسے اپنی شادی کی جلدی بھی یوں تھی کہ ادھر چچی جان کا رویہ بدلتا جا رہا تھا اور اس نے محسوس کیا تھا کہ سحر کے لیے بہت اونچے خواب دیکھنے لگی ہیں جس سے وہ خائف سا ہو گیا تھا۔ گو کہ سحر پر اسے پورا بھروسا تھا۔ لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس گھر میں سب سے زیادہ چچی جان کی چلتی ہے ان کے سامنے انوار چچا بھی خاموش ہو جاتے تھے۔

اس وقت وہ آفس جانے کے لیے نکلا تو اسٹاپ پر انوار چچا کھڑے مل گئے، وہ انہیں اتنی جلدی دیکھ کے حیران ہوا کیونکہ وہ تو دس کے درمیان آفس جاتے تھے اور ابھی آٹھ بجنے میں کچھ منٹ باقی تھے۔

’’خیریت، چچا جان آج آپ اتنی جلدی؟‘‘ اس نے ان کے گلے لگتے ہوئے پوچھا۔

’’ہاں، آج کل کچھ کام زیادہ ہے اس لیے جلدی نکلنا پڑتا ہے۔ تم سناؤ گھر میں سب خیریت ہے۔‘‘

’’جی اللہ کا شکر ہے۔ آپ آئے نہیں بہت دنوں سے۔‘‘ وہ شکوہ نہیں کر رہا تھا بس یونہی بات سے بات نکلتی چلی گئی تو وقت کا پتا ہی نہیں چلا اور اس روز وہ پہلی بار پورا ایک گھنٹہ لیٹ آفس پہنچا تھا۔ محسن صاحب آ چکے تھے اور فوراً اس کی طلبی بھی ہو گئی۔

’’آئی ایم سوری سر! میں آج بہت لیٹ ہو گیا۔‘‘ اس نے ان کے ٹوکنے سے پہلے ہی معذرت کر لی۔ پھر بھی وہ پوچھنے لگے۔

’’کیوں، آئی مین کوئی پرابلم تھی؟‘‘

’’نو سر! گھر سے تو میں ٹھیک وقت پر نکلا تھا لیکن آ گے بس۔‘‘

’’ہوں کنوینس پرابلم۔‘‘ انہوں نے اس کی پوری بات نہیں سنی پرسوچ انداز میں اسے

دیکھ کر پوچھنے لگے۔ ’’تمہارے پاس بائیک نہیں ہے؟‘‘

’’نو سر!‘‘

’’بائیک لے لو بہت ضروری ہے۔‘‘ انہوں نے یوں کہا جیسے وہ ابھی جا کر خرید ے گا اور وہ کیا کہتا خاموش ہی رہا تو قدرے توقف سے وہ کہنے لگے۔

’’میں بہت جلد اپنے آفس کی دوسری برانچ کا افتتاح کر رہا ہوں اور وہاں کی ساری سیٹنگ تم نے کرنی ہے مسٹر عاطف! اس کے لیے تم تیار رہو۔ یہ بھی ہو سکتا کہ اس سے پہلے تمہیں ٹریننگ کورس پر لندن جانا پڑے۔ پاسپورٹ ہے تمہارے پاس؟‘‘

’’نو سر بنوا لوں گا۔‘‘ وہ فوراً بولا تھا۔

’’جلدی۔‘‘

’’او کے سر۔‘‘

’’اب تم اپنی سیٹ پر جا سکتے ہو اور ہاں فاروقی صاحب سے بائیک کی چابی لے لینا۔‘‘

’’تھینک یو سر!‘‘ وہ ان کے کمرے سے بہت خوش نکلا تھا اور پھر اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھا ہی تھا کہ رجاء آ گئی وہ اسے دیکھ کر دوبارہ کھڑا ہو گیا وہ ٹوک کر بولی۔

’’پلیز، میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ میرے لیے آپ اس قسم کی زحمت نہ کیا کریں۔ مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔‘‘

’’سوری میں بھول گیا تھا۔‘‘ وہ فوراً بیٹھ گیا تو وہ انجان سی بن کر بولی۔

’’ہاں میں یہ پوچھنے آئی تھی کہ کاشف والوں کی فائل آپ کے پاس تو نہیں آ گئی۔‘‘

’’کاشف کنسٹرکشن۔‘‘ وہ ایک طرف کی فائلیں دیکھنے لگا۔ پھر اس کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ ’’نو مس! یہاں نہیں ہے۔‘‘

’’کہاں چلی گئی؟‘‘ وہ وہیں سوچنے کھڑی ہو گئی۔

’’میں فاروقی صاحب سے معلوم کروں۔‘‘ اس نے کہا تو وہ سر جھٹک کر بولی۔

’’ان کے پاس نہیں ہے۔ میں معلوم کر چکی ہوں۔ خیر چھوڑیں یہ بتائیں آج آپ اتنی

دیر سے کیوں آئے؟“

”بس ہو گئی دیر۔“

اس نے گول مول سا جواب دے کر ایک طرح سے اسے ٹالنا چاہا وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ زیادہ دیر اس کے پاس کھڑی رہے' کیونکہ وہ محسوس کرتا تھا کہ وہ کام کے لیے نہیں کام کے بہانے سے پاس آتی ہے اور مشکل یہ تھی کہ وہ اسے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ اگر وہ محسن صاحب کی بیٹی کے بجائے محض اس کی کولیگ ہوتی تو وہ یقیناً اپنا رویہ بدل لیتا' لیکن اب مجبور تھا۔ اس لیے اندر ہی اندر جزبز ہوتا اور خود کو مصروف ظاہر کرنے کی کوشش کرتا۔ اس وقت بھی اس نے یہی کیا تو وہ کچھ دیر تک خاموشی سے اس کی مصروفیت دیکھتی رہی پھر اسے مخاطب کر کے پوچھنے لگی۔

”مسٹر عاطف! ڈیڈی نے آپ کو نئے آفس کے بارے میں کچھ بتایا ہے؟“

”جی بس اتنا کہ وہ بہت جلد اس کا افتتاح کرنے والے ہیں۔“

”آئی مین یہ نہیں بتایا کہ آپ وہاں جی ایم ہوں گے۔“ اس نے کہا تو وہ واقعی حیران ہوا۔

”جی ایم۔“

”جناب جی ایم۔“ وہ مسکرائی۔

”ایک منٹ۔“ وہ ایک اچانک خیال کے تحت الجھ کر پوچھنے لگا۔

”معاف کیجئے گا مس رجاء کہیں آپ نے تو میری سفارش نہیں کی؟“

”بالکل نہیں۔ میں نے آپ کو اپائنٹ ضرور کیا تھا اس کے بعد میرا کوئی اختیار نہیں اور نہ ہی میں ڈیڈی کے کام میں مداخلت کرتی ہوں۔“ وہ بے نیازی سے کندھے اچکا کر بولی پھر قدرے توقف سے پوچھنے لگی۔ ”کیوں آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟“

وہ جانے کیا سوچنے لگا تھا اور اس سوچتے ہوئے انداز میں اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ خوش تھی کہ ڈیڈی نے اس کی پسند عاطف علی کو فوراً رد نہیں کر دیا تھا۔ بلکہ اسے دیکھ کر اور پھر اس کی صلاحیتوں کا اندازہ کر کے اب دھیرے دھیرے اسے اس مقام کی طرف لے جا رہے تھے جہاں وہ اسے بلا جھجک سب سے متعارف کرا سکتی تھی۔ انہوں نے اسپیشلی اس کے لیے کلفٹن روڈ پر نیا آفس لیا تھا اور اس کے افتتاح سے پہلے وہ اسے لندن بھیجنا چاہتے تھے۔ زیادہ نہیں صرف ایک سال کے ٹریننگ کورس پر' بہرحال وہ خوش تھی البتہ عاطف علی کو سرد مہری اب اسے کچھ کھٹکنے لگی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اس سے اتنی بے نیازی کیسے برت لیتا ہے۔ وہ کوئی عام سی لڑکی تو نہیں ہے۔ قدرت نے ہر پہلو سے اسے بڑی فیاضی سے نوازا ہے اور اس کے چاہنے والے بھی کم نہیں لیکن خود اس کی نظر انتخاب جس شخص پر ٹھہری وہ اسے دیکھ کر بھی جیسے نہیں دیکھتا۔ یہ اس کے لیے واقعی بڑی عجیب سی بات تھی۔ جسے وہ محسوس کرتی تھی اس کے باوجود خود سے پہل کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ اسے اپنی نسوانیت کا غرور بہرحال بے حد عزیز تھا۔

اس روز آپی آئیں تو انہوں نے بڑے معنی خیز انداز میں اس سے پوچھا تھا۔

''ہاں بھئی' وہ جو دنیا میں سب سے اچھا ہے اس کے ساتھ تمہارا معاملہ کہاں تک پہنچا؟''

''پتا نہیں آپی! ادھر سے تو سب ٹھیک ہے لیکن اسے میں سمجھ نہیں پا رہی۔'' اس نے کچھ مایوسی سے کہا تو آپی ایک دم سنجیدہ ہو گئی تھیں۔

''کیا مطلب' کیا سمجھ میں نہیں آ رہا!''

''میرا مطلب ہے۔ اس نے ابھی تک ایسی کوئی بات نہیں کی' جس سے میں سمجھوں کہ وہ مجھے پسند کرتا ہے۔ بہت محتاط سا رہتا ہے۔''

''یہ اس کی مجبوری ہے چندا! جو اسے محتاط رکھتی ہے۔ کیونکہ تم اس کے باس کی بیٹی ہو اس لیے اس کے اندر یہ خدشہ ہوگا کہ اگر اس کی کوئی بات تمہیں ناگوار گزری تو تم کھڑے کھڑے اسے نکلوا سکتی ہو۔ ورنہ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے وہ تمہیں پسند نہ کرتا ہو۔'' آپی نے کہا تو وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد پوچھنے لگی۔

''یہ آپ اتنے یقین سے کیسے کہہ رہی ہیں؟''

''کیوں' کیا تمہیں یقین نہیں ہے۔'' آپی نے اس کے خوب صورت چہرے کو پیار سے چھوا اور اس کے خاموش رہنے پر پوچھنے لگیں۔

''فرض کرو اگر وہ تمہیں پسند نہیں کرتا تو کیا تم اس کا خیال چھوڑ دو گی۔''

''نہیں۔'' اس بار وہ فوراً بولی تھی۔ ''اس کا خیال چھوڑنے کا مطلب جانتی ہیں کیا ہے کہ میں زندہ رہنا چھوڑ دوں۔''

''رجاء!'' آپی پریشان ہو گئیں۔

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں آپی! وہ میرے لیے ایسا ہی ہے۔ جب تک میں نے اسے نہیں دیکھا تھا تو کوئی بات نہیں تھی۔ لیکن اب تو میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ وہ زیادہ عرصہ میری نظروں سے اوجھل رہے۔''

وہ کچھ کھوئے ہوئے انداز میں بول رہی تھی۔ آپی نے اس کا کندھا دبایا تو چونک کر

انہیں دیکھنے لگی۔

''وہ میں یہ کہہ رہی ہوں کہ ڈیڈی اسے لندن بھیج رہے ہیں۔'' آپی نے کہا تو وہ ان کا مطلب سمجھ کر ذرا سا مسکرائی۔

''مجھے معلوم ہے۔ بس ایک سال کے لیے یا ہو سکتا ہے اس سے بھی پہلے وہ واپس آ جائے۔ ویسے ایک سال کوئی اتنا طویل عرصہ نہیں ہوتا۔''

وہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی پھر ایک دم یاد آنے پر پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی۔

''او گاڈ' میں تو بھول ہی گئی۔ مجھے زارا کے ساتھ جانا ہے۔''

''کہاں؟''

''فراز کے گھر۔'' اس نے بہت عجلت میں گاڑی کی چابی اٹھائی پھر کہنے لگی۔

''آپ تو ابھی رکیں گی ناں میں جلدی آ جاؤں گی۔ او کے۔''

آپی نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔

اس نے پہلے زارا کو اس کے گھر سے پک کیا تھا اس کے بعد فراز کا اپارٹمنٹ ڈھونڈنے میں تقریباً ایک گھنٹہ لگ گیا۔ جس سے وہ دونوں سخت جھنجلائی ہوئی تھیں۔ لیکن جب فراز کو دیکھا تو جھنجلاہٹ کی جگہ پریشانی نے لی لی' کیونکہ وہ پتا نہیں کب سے بیمار تھا کہ اس سے ٹھیک سے کھڑا ہی نہیں ہوا جا رہا تھا۔ دروازہ کھولنے میں ہی ہانپ رہا تھا پھر فوراً جا کر بیٹھ گیا تو اس نے بے حد خاموش نظروں سے زارا کو دیکھا پھر مدھم روشنی میں کمرے کا جائزہ لیا۔ ہر شے بکھری ہوئی تھی۔

''فراز! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے؟'' وہ یونہی ادھر ادھر دیکھتی ہوئی اس کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

''اس دن کے بعد سے تم نے آج مجھے فون کیا۔ پہلے نہیں بتا سکتے تھے کہ تم بیمار ہو۔''

''ہمیں دوست سمجھتا تب تو ہمیں بتاتا۔'' زارا کو بھی غصہ آ رہا تھا۔ ''ابھی بھی کیا ضرورت تھی۔ مر جاتے اکیلے پڑے پڑے کوئی نہ کوئی دفنا ہی دیتا۔''

''شٹ اپ زارا! اتنی خوفناک باتیں تو نہ کرو۔'' اس نے جھنجلا کر زارا کو ٹوکا۔ پھر فراز سے پوچھنے لگی۔ ڈاکٹر کے پاس چل سکتے ہو یا یہیں لایا جائے ڈاکٹر؟''

''نہیں۔ میں دوا لایا تھا۔'' فراز نے ٹیبل پر رکھی شیشی کی طرف اشارا کیا۔

''کب' کب لائے تھے یہ دوا؟''

''جب میں نے تمہیں فون کیا تھا۔ وہیں ڈاکٹر کے ہاں سے فون کیا تھا۔'' اس نے بتایا تو وہ زارا کو یوں دیکھنے لگی جیسے اب کیا کیا جائے۔

''میرا خیال ہے اسے کسی اچھے ڈاکٹر کے پاس لے چلتے ہیں تا کہ کچھ دن اور جی لے۔ بے چارے نے ابھی دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے۔'' زارا ابھی بھی جلے ہوئے انداز میں بولی پھر ادھر بکھری چیزیں سمیٹنے کے ساتھ ساتھ بڑبڑانے بھی لگی تھی۔

''بے چارہ غریب آدمی کمپلیکس میں مارا جاتا ہے۔ اسی لیے نہیں بلا رہا ہوگا ہمیں کہ اس کباڑ خانے میں آ کر ہم اس کا مذاق اڑائیں گے۔''

وہ کچھ دیر اس کی بڑبڑاہٹ سنتی رہی پھر سر جھٹک کر فراز سے بولی۔

''چلو فراز جب تک یہ تمہارا کمرہ ٹھیک ٹھاک کرے گی ہم ڈاکٹر کے پاس ہو آتے ہیں۔''

''نہیں میں۔'' فراز منع کرنا چاہتا تھا لیکن وہ زبردستی اسے اٹھا کر لے آئی۔

اپنے فیملی ڈاکٹر سے اس کا مکمل چیک اپ کرایا۔ کوئی تشویش کی بات نہیں تھی۔ بس بخار اور سینے میں کچھ انفیکشن تھا اور کیونکہ باقاعدگی سے دوا نہیں لی گئی تھی اس لیے وہ اتنے دنوں سے بستر پر پڑا تھا اور کمزور بھی ہو گیا تھا۔ بہرحال وہ اسے لے کر واپس آئی تو زارا اس کے کمرے اور کچن کا نقشہ بدل چکی تھی جبکہ اس کا اپنا نقشہ بگڑ چکا تھا۔

''پکی ماسی لگ رہی ہو۔'' وہ اسے دیکھ کر بے ساختہ ہنسی کے ساتھ بولی تو اس نے برا نہیں مانا۔

''ہاں ماسیوں والے کام جو کیے ہیں۔ کیا یاد کرے گا فراز۔ کیوں راز! کیا کہا ڈاکٹر نے

کتنے دن کے مہمان ہو؟''

''پتا نہیں رجاء سے پوچھو۔'' وہ سیڑھیاں چڑھ کر تھک گیا تھا اس لیے فوراً لیٹ گیا۔ تو زارا نے اس کی طرف متوجہ ہو کر سرگوشی میں پوچھا۔

''کوئی تشویش کی بات تو نہیں ہے۔''

''بالکل نہیں۔ بس بخار ہے۔ تم ایسا کرو' چائے بنا لو میں بسکٹ وغیرہ لائی ہوں۔ اسے کچھ کھلا پلا کر چلتے ہیں۔'' وہ کہتی ہوئی پلنگ کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور شاپر میں سے میڈیسن نکال کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے فراز سے کہنے لگی۔

''دیکھو اب لاپروائی مت کرنا۔ دوا وقت پر لینا اور ابھی تو کھانے کے لیے یہ جو کچھ مل سکا ہے' اسی پر گزارہ کرلو کل میں تمہارے لیے کھانا لے کر آؤں گی۔ کوئی خاص چیز کھانا چاہو تو بتاؤ۔''

''نہیں پلیز' تم اتنا مت کرو کہ میں تمہارا احسان۔''

''احسان!'' وہ چیخ پڑی۔ ''خبردار ایسی کوئی بات منہ سے نکالی تو میں بہت ناراض ہوں گی' دوستی میں احسان وحسان نہیں ہوتا سمجھے تم۔''

وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا بولا کچھ نہیں۔

پھر اسے کھلانے پلانے کے بعد دونوں اگلے دن آنے کا کہہ کر اس کے اپارٹمنٹ سے نکلیں تو شام رخصت ہو رہی تھی۔

''بے چارہ بالکل اکیلا ہے۔ پتا نہیں اس کے رشتہ دار وغیرہ کہاں ہیں۔'' زارا کو اب اس پر ترس آ رہا تھا۔

"رشتہ دار قریب ہوتے تو بھی کب تک اس کا ساتھ دے سکتے تھے۔ اس افراتفری کے دور میں کسی کے پاس اتنی فرصت نہیں ہے۔" اس نے کہا تو زارا اس کی تائید کرتے ہوئے بولی۔

"یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ فراز کو خود ہمت کرنی چاہیے۔"

"ہاں ذرا ٹھیک ہو جائے پھر اسے سمجھائیں گے۔" اس نے زارا کے گھر کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے کہا۔

"اندر نہیں چلو گی؟" زارا نے اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، بہت دیر ہو گئی ہے۔ پتا ہے آپی آئی ہوئی تھیں اور ان سے میں نے کہا تھا کہ میں جلدی آ جاؤں گی۔"

"اچھا تو کل کس وقت آؤ گی؟"

"دیکھو فون کر دوں گی تمہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ خدا حافظ۔" زارا اتر گئی تو اس نے ہاتھ ہلا کر گاڑی آگے بڑھا دی۔

اگلے دن اس کا خیال تھا، وہ آفس سے چھٹی کرے گی، لیکن صبح ہی ممی اسے اٹھانے آ گئیں۔

"رجاء! اٹھ جاؤ بیٹا۔ تمہارے ڈیڈی کو آج چیک اپ کے لیے جانا ہے۔ اس لیے تمہیں جلدی آفس جانا ہو گا۔"

"اونو، میرا تو آج چھٹی منانے کا پروگرام تھا۔" وہ بے دلی سے کمبل پھینک کر اٹھ بیٹھی۔

"بس تھوڑی دیر کے لیے چلی جاؤ۔ چیک اپ کے بعد تمہارے ڈیڈی آفس ہی جائیں گے۔ ان کے پہنچتے ہی تم اٹھ کر آ جانا ٹھیک۔" ممی نے اس کا کمبل لپیٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہی کروں گی۔" وہ اٹھ کر واش روم میں چلی گئی۔

اور پھر معمول کے مطابق آفس پہنچ کر اس نے سوچا۔ ڈیڈی کے آنے تک وہ اپنے آج کے ضرور کام نمٹا دے لیکن پتا نہیں کیوں اس کا موڈ نہیں بنا۔ کچھ اکتاہٹ سی ہونے لگی تھی۔ جس فائل کو ہاتھ لگاتی وہ غیر ضروری لگتی۔ آخر اس نے فاروقی صاحب کو بلا کر دو تین فائلیں ان کے سپرد کیں پھر عاطف علی کے پاس جانے کے ارادے سے اٹھی تھی کہ اس کا فون آ گیا۔

"ہائیں!" وہ اس کی آواز سن کر حیران ہوئی۔ آپ آفس نہیں آئے؟"

"تو مس میں آج نہیں آ سکوں گا۔" اس نے کہا تو وہ ہونٹوں تک آئے کیوں کو روک کر بولی۔

"خیریت؟"

"جی سب خیریت ہے بس ایک کام۔" وہ اس قدر کہہ کر خاموش ہو گیا تو اس نے بھی کام کی نوعیت نہیں پوچھی۔

"اچھی بات ہے۔"

"تھینک یو۔" ادھر سے سلسلہ منقطع ہو گیا تب بھی وہ کچھ دیر یوں ہی بیٹھی رہی۔ منتظر سی پھر مایوسی سے ریسیور رکھ کر ڈیڈی کا انتظار کرنے لگی۔ اب تو اس کا یہاں بیٹھنے کو ہی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اگر ڈیڈی موجود ہوتے تو وہ ایک پل نہ رکتی۔ بڑی مشکل سے اس نے یہ وقت گزارا تھا

اور جیسے ہی ڈیڈی آئے' وہ اسی وقت ان سے کہہ کر آفس سے نکل آئی تھی اور کیونکہ زارا کو ساتھ لینا تھا۔ اس لیے پہلے اس کے گھر گئی' لیکن اتفاق سے وہ موجود نہیں تھی۔ اس کی ممی نے بتایا کہ وہ ابھی اپنی بھابھی کے ساتھ شاپنگ کے لیے گئی ہے اور انہوں نے تو اسے رکنے کو ہی کہا تھا۔ لیکن اسے اندازہ تھا کہ زارا کی واپسی تین چار گھنٹے سے پہلے نہیں ہو گی اور اتنی دیر وہ اس کی ممی کے ساتھ بھلا کیا باتیں کر سکتی تھی' تھوڑی دیر بھی نہیں بیٹھی اور فوراً معذرت کر کے نکل آئی۔ راستے میں ایک اچھا ریسٹورنٹ دیکھ کر اس نے وہاں سے دو آدمیوں کا کھانا پیک کروایا اور مزید پھل وغیرہ بھی خریدے اور سب چیزیں لے کر فراز کے گھر آئی تو اسے کل کی نسبت کافی بہتر حالت میں دیکھ کر وہ خوش ہو کر بولی۔

''ویری گڈ تم اتنی جلدی اچھے بھلے ہو گئے۔''

''تمہارے ڈر سے۔''

''میرے یا زارا کے؟'' اس نے فوراً ٹوکا تو وہ دروازے سے باہر جھانک کر پوچھنے لگا۔

''زارا کہاں رہ گئی؟''

''وہ نہیں آئی۔ میں اسے لینے گئی تھی' لیکن وہ گھر پر نہیں تھی۔ خیر تم بتاؤ۔ صبح سے کچھ کھایا پیا بھی ہے کہ نہیں۔'' وہ پھلوں کا شاپر اور کھانے کے پیکٹ ٹیبل پر رکھ کر اس کی طرف پلٹی تو وہ ناراضی سے بولا۔

''یہ سب کیوں لائی ہو تم؟''

''کھانے کے لیے' چلو بیٹھو مجھے بھوک لگ رہی ہے۔'' وہ اس کی ناراضی کو نظر انداز کرتے ہوئے کچن سے پلیٹیں اٹھا لائی اور ان میں کھانا نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔

''مسٹر! اگر تم غیروں جیسی باتیں کرو گے تو میں فوراً چلی جاؤں گی اور دوبارہ کبھی نہیں آؤں گی۔ چپ چاپ اچھے بچوں کی طرح بیٹھ جاؤ اور میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔

اور وہ ایک اچھی دوست کو کیسے ناراض کر سکتا تھا' خاموشی سے بیٹھ گیا تو پھر کھانا کھانے تک دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ وہ قصداً خاموش رہی تھی تاکہ فراز آرام سے کھانا کھا لے اور کھانے کے بعد سیب کاٹ کر اس کے سامنے رکھ دیا پھر پوچھنے لگی۔

''آج تو ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے؟''

''نہیں اس نے دو دن کی دوا دی تھی اور یہ سیرپ وغیرہ تو غالباً ایک ہفتہ چلیں گے اس کے بعد تو میں بھاگنے دوڑنے لگوں گا۔'' فراز نے کہا تو وہ کچھ دیر تک بے دھیانی میں اسے دیکھتی رہی پھر پوچھنے لگی۔

''اتنا عرصہ کہاں رہے تم؟ میرا مطلب ہے یونیورسٹی چھوڑنے کے بعد اب تم سے ملاقات ہوئی ہے۔'' یونیورسٹی تم نے چھوڑی تھی۔ میں نے نہیں۔ یعنی میں ایم بی اے سے اب فارغ ہوا ہوں۔ کوئی تین ماہ پہلے۔'' وہ تکیے سے کمر ٹیک کر آرام سے بیٹھتے ہوئے بتانے لگا۔

''یاد ہے جب میں نے تمہیں فون کیا تھا کہ میں تمہارے پاس آ رہا ہوں' اس وقت میں بہت پریشان تھا۔ میرے والد کو دوسرا اٹیک ہوا تھا اور میں انہیں ہاسپٹل تو لے گیا تھا' لیکن میرے پاس ان کے علاج کے لیے زیادہ رقم نہیں تھی اور میں ح تمہارے پاس اس سلسلے میں آنے والا تھا لیکن پھر اس کی ضرورت نہیں پڑی کیونکہ اس وقت ابا کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس کے بعد کتنے دن مجھے کسی بات کا ہوش نہیں رہا ورنہ میں اسی روز تمہیں اطلاع دیتا۔ بہر حال جب میں کچھ سنبھلا تو میرے سامنے سب سے بڑا مسئلہ روزگار کا تھا۔ کچھ دن اس کے لیے بھاگ دوڑ کرتا رہا جب کہیں کام نہیں بنا تو اپنا گھر کرائے پر اٹھا کر خود اس ایک کمرے میں چلا آیا۔ یہاں آنے سے پہلے میں نے تمہیں فون کیا تھا۔ اصل میں میں بڑی شدت سے دوستوں کی کمی محسوس کر رہا تھا۔ رضا بھی ایسے وقت میں ساتھ چھوڑ گیا۔''

''رضا!'' وہ ایک دم سیدھی ہو بیٹھی۔ ''اسے کیا ہوا؟''

''اسے کیا ہونا ہے۔ امریکہ نکل گیا اور عاصم تو ایم بی اے کے دوران ہی کینیڈا چلا گیا تھا۔ تم سے میں نے یوں رابطہ نہیں کیا کہ مجھے معلوم ہوا تھا تمہاری شادی ہو گئی۔ نہیں بلکہ میرا اپنا خیال تھا کہ تم نے یونیورسٹی اس لیے چھوڑی ہے۔ ویسے تم نے اب تک شادی کیوں نہیں کی

؟'' فراز کو جیسے اس کی شادی نہ ہونے پر اچنبھا ہوا تھا۔

''ارے تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے میری عمر بہت زیادہ ہو گئی ہے۔'' وہ اس کے اچنبھے پر ہنستے ہوئے بولی۔

''عمر کی وجہ سے نہیں بلکہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ تمہارے پاس تو کوئی کمی نہیں ہے' ہر لحاظ سے اٹریکٹو ہو پھر شادی نہ ہونے کی وجہ۔''

'کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔'' اس نے بے نیازی سے کہا پھر۔ گھڑی دیکھ کر اٹھتے ہوئے بولی۔ ''بہت دیر ہو گئی ہے چلنا چاہیے۔''

''پھر آؤ گی ناں؟''

''ہاں لیکن تم انتظار مت کرنا میرا مطلب ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ میں کل ہی آؤں کسی بھی دن آ سکتی ہوں اور پلیز اب تم اپنا خیال رکھو۔''

''کس کے لیے؟'' وہ افسردگی سے بولا۔

''کس کے لیے سے کیا مطلب۔ اپنے لیے تمہیں ابھی بہت کچھ کرنا ہے تمہارے ماں باپ نے تمہارے لیے جیسا سوچا تھا ویسا بنا ہے تمہیں سمجھے تم۔ آئندہ میں تمہیں مایوس نہ دیکھوں اور ہاں تم ٹھیک ہو جاؤ پھر ڈیڈی سے تمہاری جاب کی بات کرتی ہوں او کے۔''

وہ اس پر دوستانہ رعب جما کر بولی۔ پھر خدا حافظ کہہ کر باہر نکلی تو اسے عجیب سی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ کچھ لڑکیاں بالکونیوں میں نکل کر اسے جھانکنے لگی تھیں اور لڑکے اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے گاڑی تک آئے۔ ان کے انداز اور باتیں اتنی عامیانہ تھی کہ وہ پریشان ہو گئی لیکن پلٹ کر دیکھا نہیں۔ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہی اسپیڈ سے بھگا دی اور جب اس علاقے سے نکل آئی تب جہاں سکون کا سانس لیا وہاں لوگوں کی ذہنیت پر اسے افسوس بھی ہونے لگا تھا۔ کتنی دیر تک وہ کڑھتی رہی' پھر اپنا دھیان بٹانے کی خاطر کیسٹ آن کر دیا اور خود بھی گنگنانے لگی تھی کہ دائیں طرف سے اچانک ایک بائیک سامنے آ گئی۔ وہ تو اچھا ہوا اس نے فوراً بریک لگا دی اور جب سامنے دیکھا تو بائیک سے

اتر کر عاطف علی اس کی طرف آ رہا تھا۔

''سوری مس!'' عاطف علی نے شیشے میں جھک کر اس سے معذرت کی۔

''آپ اتنے لاپروا لگتے تو نہیں ہیں۔'' وہ بے اختیار کہہ گئی۔

''ہوں بھی نہیں' بس کبھی کبھی۔'' عاطف علی نے اس قدر کہہ کر بائیک کے قریب کھڑی لڑکی کی طرف اشارہ کیا تو وہ ایک نظر اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''کون ہے؟''

''کزن سے زیادہ مجھے اسے اپنی منگیتر کہتے ہوئے اچھا لگتا ہے۔''

عاطف علی کے دلکش مسکراہٹ نے اس کے اندر حشر برپا کر دیا تھا۔ کس قیامت کی گھڑی تھی اس کا وجود پارہ پارہ ہو رہا تھا۔ لیکن وہ اپنا بھرم قائم رکھنا چاہتی تھی' اس کوشش میں وہ اپنی ساری توانائیاں صرف کر کے ذرا سا مسکرا سکی۔

عاطف علی نے اشارے سے سحر کو قریب بلا لیا اور اس کے تعارف میں کہنے لگا۔

''یہ مس رجاء ہیں۔ ہمارے باس محسن صاحب کی بیٹی۔ انہوں نے ہی مجھے اپنی فرم میں اپائنٹ کیا تھا۔''

''السلام علیکم۔'' سحر نے سلام کیا تو اس نے آہستہ سر ہلایا پھر عاطف علی کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں دھندلانے لگی تھی کہ اس نے فوراً گاڑی آگے بڑھا دی۔ اس کے بعد اسے نہیں پتا وہ کیسے گھر تک پہنچی تھی۔

◆

کیونکہ پچھلے چار دنوں سے مسلسل سوچتے ہوئے اسے شکست خوردگی کا احساس ملا تھا جو بے حد اذیت ناک تھا اور اس اذیت سے نکلنے کی خاطر ہی وہ اس کا سامنا کرنا چاہتی تھی۔ جب ہی طبیعت خراب ہونے کے باوجود آفس آ گئی۔ اس کا خیال تھا وہ اس کے سامنے اس کی نفی کرے گی۔ غالباً اس کی انا کو اسی تسکین مل سکتی تھی۔ بہر حال اس وقت اس کا کام کرنے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔ اس لیے کتنی دیر ڈیڈی کے کمرے میں ہی بیٹھی رہی۔

اس دوران وہ دو بار ڈیڈی کے پاس آیا تھا لیکن وہ اسے دیکھ نہیں سکی۔ کیونکہ دروازے کی طرف اس کی پشت تھی اور دو دونوں بار اس کی پشت پر کھڑا ہوا تھا۔ پھر تیسری بار ڈیڈی نے اسے بلوایا تھا اور جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوا وہ بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ لیکن پھر اسے یکسر نظر انداز کر کے اپنے کمرے میں آ کر بیٹھی تو اسے لگا وہ اس کے ساتھ یہ اجنبیوں والا کھیل کبھی نہیں کھیل سکے گی یا تو وہ اس کا ہو جائے یا پھر اتنی دور چلا جائے کہ پھر کبھی اسے نظر نہ آئے اور یہ دونوں باتیں ممکن ہو بھی سکتی تھیں اور نہیں بھی وہ اسی نہج پر سوچ رہی تھی کہ وہ آ گیا۔

’’السلام علیکم۔‘‘

اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی سلام کیا تو وہ سر کے اشارے سے جواب دے کر بولی۔

’’جی؟‘‘

’’وہ میں آپ کی طبیعت کا پوچھنے آیا تھا۔ اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟‘‘ اس نے آگے آتے ہوئے کہا۔

’’کافی بہتر ہے۔‘‘

’’پھر بھی ابھی آپ کو ریسٹ کرنا چاہیے۔‘‘

’’پلیز۔‘‘ اس نے اس کی بات ان سنی کر کے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

’’تھینک یو۔‘‘ وہ بیٹھ گیا تو بظاہر سرسری انداز میں پوچھنے لگی۔

’’آپ لندن کب جا رہے ہیں؟‘‘

’’جب آپ بھیجیں گی۔‘‘

’’میں نہیں ڈیڈی۔‘‘ اس نے کہا تو وہ فوراً بولا۔

’’ایک ہی بات ہے۔‘‘

’’چائے لیں گے آپ؟‘‘

’’اگر آپ کا موڈ ہے تو میں آپ کا ساتھ دے سکتا ہوں۔‘‘

’’صرف چائے تک۔‘‘ اس نے سوچا پھر انٹر کام پر چائے کا کہہ کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تو بظاہر سرسری انداز میں پوچھنے لگی۔

’’اس روز وہ آپ کی کزن کیا نام بتایا تھا آپ نے اس۔‘‘

’’سحر!‘‘

’’ہاں سحر پڑھتی ہے؟‘‘

’’بی اے کر رہی ہے۔‘‘

’’اس کے بعد۔‘‘

’’شادی۔‘‘ وہ اس کی پات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا۔ پھر اپنی جلد بازی پر کچھ جھینپ بھی گیا۔

’’اس کا مطلب ہے لندن سے آتے ہی اپنی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو جائیں گے۔‘‘

’’ہوں۔‘‘ اس بار اس نے بس ہوں کہنے پر اکتفا کیا تو قدرے توقف سے وہ یوں بات کرنے کی غرض سے پوچھنے لگی۔

’’آپ کے گھر میں اور کون کون ہے؟‘‘

’’کوئی اتنے زیادہ افراد نہیں ہیں۔ اماں اور ایک چھوٹی بہن بس مجھے ملا کر کل تین۔‘‘ اس نے پیون سے چائے کی ٹرے لے کر سامنے رکھتے ہوئے جواب دیا۔

''اور آپ کے فادر؟''

''ان کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔''

''ویری سیڈ!'' اس نے بلاارادہ وہ چائے کی ٹرے اپنی طرف کھینچ لی تو پھر لامحالہ چائے اسے ہی بنانی پڑی اور جب کپ اس کے سامنے رکھ دیا تب پوچھنے لگی۔

''آپ جب لندن چلے جائیں گے تو آپ کی مدد اور سسٹر اکیلی نہیں ہو جائیں گی یا آپ کسی عزیز کو ان کے پاس چھوڑ جائیں گے؟''

''نہیں اپنا گھر چھوڑ کر کون کسی کے پاس رہتا ہے۔ بس وہ سحر کا گھر قریب ہے اس لیے مجھے زیادہ فکر نہیں ہے۔ سحر کے فادر نے بھی کافی اطمینان دلایا ہے البتہ۔''

وہ بات ادھوری چھوڑ کر جانے کیا سوچنے لگا تھا اور وہ ٹوکتے ٹوکتے رہ گئی کیونکہ اچانک خیال آیا تھا کہ وہ کیوں اس کی ذات میں دلچسپی لے رہی ہے یہ ساری باتیں جان کر وہ کیا کرے گی' جب کوئی ناتا ہی نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔

''او کے مس تھینک یو۔'' وہ چائے ختم کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ تو خاموشی سے اس کے پیچھے دیکھتی رہ گئی۔

◆

اسے سحر کی پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے آنسو بہت بے چین کر رہے تھے' لیکن وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ اس لیے بہت ضبط کے بعد کہنے لگا۔

''سنو' میں تمہارے ہی لیے جا رہا ہوں تا کہ جس خوبصورت زندگی کے تم نے خواب دیکھے ہیں انہیں شرمندۂ تعبیر کر سکوں۔''

''کوئی اونچے خواب نہیں دیکھے میں نے میرے خواب اس گھر سے شروع ہو کر اسی گھر پر ختم ہوتے ہیں۔'' وہ اسی طرح روتے ہوئے بولی۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن اس گھر کے لیے بھی ہمیں بہت کچھ چاہیے۔''

''مجھے کچھ نہیں چاہیے۔''

''بے وقوفی کی باتیں مت کرف اور بند کرو رونا۔''

اس نے قدرے ناراضی سے ٹوکا تو وہ اور شدت سے رونے لگی۔

''اور آپ کے فادر؟''

''ان کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔''

''ویری سیڈ!'' اس نے بلا ارادہ وہ چائے کی ٹرے اپنی طرف کھینچ لی تو پھر لامحالہ چائے اسے ہی بنانی پڑی اور جب کپ اس کے سامنے رکھ دیا تب پوچھنے لگی۔

''آپ جب لندن چلے جائیں گے تو آپ کی مدد اور سسٹر اکیلی نہیں ہو جائیں گی یا آپ کسی عزیز کو ان کے پاس چھوڑ جائیں گے؟''

''نہیں اپنا گھر چھوڑ کر کون کسی کے پاس رہتا ہے۔ بس وہ سحر کا گھر قریب ہے اس لیے مجھے زیادہ فکر نہیں ہے۔ سحر کے فادر نے بھی کافی اطمینان دلایا ہے البتہ۔''

وہ بات ادھوری چھوڑ کر جانے کیا سوچنے لگا تھا اور وہ ٹوکتے ٹوکتے رہ گئی کیونکہ اچانک خیال آیا تھا کہ وہ کیوں اس کی ذات میں دلچسپی لے رہی ہے یہ ساری باتیں جان کر وہ کیا کرے گی، جب کوئی ناتا ہی نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔

''اوکے مس تھینک یو۔'' وہ چائے ختم کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ تو خاموشی سے اس کے پیچھے دیکھتی رہ گئی۔

* * *

اسے سحر کی پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے آنسو بہت بے چین کر رہے تھے، لیکن وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ اس لیے بہت ضبط کے بعد کہنے لگا۔

''سنو، میں تمہارے ہی لیے جا رہا ہوں تا کہ جس خوبصورت زندگی کے تم نے خواب دیکھے ہیں انہیں شرمندۂ تعبیر کر سکوں۔''

''کوئی اونچے خواب نہیں دیکھے میں نے میرے خواب اس گھر سے شروع ہو کر اسی گھر پر ختم ہوتے ہیں۔'' وہ اسی طرح روتے ہوئے بولی۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن اس گھر کے لیے بھی ہمیں بہت کچھ چاہیے۔''

''مجھے کچھ نہین چاہیے۔''

''بے وقوفی کی باتیں مت کرف اور بند کرو رونا۔''

اس نے قدرے ناراضی سے ٹوکا تو وہ اور شدت سے رونے لگی۔

''کم آن یار! ایک سال کی تو بات ہے گزرتے پتا بھی نہیں چلے گا۔'' اسے اپنا لہجہ بدلنا پڑا ''اچھا یہ بتاؤ خط لکھو گی۔''

''پتا نہیں۔'' وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

''ہیں! یہ کیا بات ہوئی۔ ہاں یا ناں کہو۔''

''آپ لکھیں گے؟'' وہ بھیگی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ تو وہ فورا بولا۔

''ہاں!''

''نہیں۔'' وہ کچھ خائف سی ہو کر بولی تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

''کیا نہیں؟''

''آپ مجھے خط نہیں لکھیں گے۔ امی کو پتا چل گیا تو بہت ناراض ہوں گی۔''

''یار! تمہاری امی کی بات مجھے سمجھ میں نہیں آتی۔ لگتا ہے مجھ سے کوئی پرانی دشمنی ہے ان کی۔ پھر بھی انہیں تمہارا خیال تو کرنا چاہیے۔ آخر تمہیں اسی گھر میں آنا ہے۔ خیر چھوڑو ہم کیا بات کر رہے تھے ہاں خط لکھنے کی ٹھیک ہے۔ میں تمہیں خط نہیں لکھوں گا۔ میری خیریت معلوم کرنی ہو تو بیہ سے معلوم کر لینا۔''

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ناراضی کا اظہار کر گیا، جس پر اس کے رکے ہوئے آنسو پھر چھلک گئے۔

''میرے خدا، کیا تم سوچ کر آئی تھیں کہ سارا وقت روتی رہو گی۔ پاگل لڑکی۔ کچھ سونی سونی باتیں بھی کر لو جنہیں تنہائیوں میں سوچ کر میں مسکرا سکوں۔ تمہارے آنسو سوچ کر تو میں مر جاؤں گا۔''

''اف نہیں۔'' اس نے تڑپ کر سر اونچا کیا پھر جلدی جلدی اپنے آنسو صاف کرنے لگی، تو وہ بے ساختہ مسکراہٹ کے ساتھ اس کا ہاتھ تھام کر پوچھنے لگا۔

''میرا اعتبار ہے نا؟'' اس نے ذرا سا اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ہاں، یہ اعتبار کبھی ٹوٹنے مت دینا۔ میں کہیں بھی رہوں، مجھے ہر پل تمہارا خیال رہے گا۔ یہ دوریاں، یہ فاصلے محبت کی راہ میں ہائل نہیں ہو سکتے۔ جانتی ہو ناں کتنی محبت کرتا ہوں میں تم سے، اور اب سے نہیں برسہا برس سے۔ تمہارے لیے میں بہت خوب صورت گھر سوچتا ہوں۔ جہاں زندگی ہر پل مسکرائے گی۔ کوئی دکھ نہیں ہو گا۔'' وہ اپنے جذبوں کا اظہار کرتے ہوئے کھو گیا تھا اور وہ چپ چاپ اسے دیکھے جا رہی تھی۔ تب ہی بیہ کے پکارنے پر دونوں چونک کر اپنی اپنی جگہ سنبھل گئے۔

''بھائی! اماں پوچھ رہی ہیں۔ گاجر کا حلوہ بنا دیں۔ ساتھ لے جانے کے لیے؟'' بیہ نے اندر آ کر پوچھا تو وہ فوراً منع کرتے ہوئے بولا۔

''نہیں میں کھانے پینے کی کوئی چیز ساتھ نہیں لے جاؤں گا۔''

''چلو جان چھوٹی ورنہ اماں سارا دن مجھے چولہے کے پاس کھڑا رکھتیں پتا نہیں کیا کیا بنانے کا سوچے بیٹھی ہیں۔''

''نہیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ منع کر دو انہیں۔''

''آپ خود منع کر دیں۔ میری بات نہیں مانیں گی۔'' بیہ کہتی ہوئی آرام سے بیٹھ گئی تو وہ اسے گھورتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

پھر شام میں انوار چچا اپنی بیگم کے ساتھ آ گئے۔ ان کا ارادہ اس کے ساتھ ایئر پورٹ تک جانے کا تھا۔ لیکن اس نے سب کو منع کر دیا۔ کیونکہ اس کی فلائیٹ رات دو بجے تھی۔ اگر اپنی کنوینس ہوتی تب تو کوئی بات نہیں تھی۔ پھر اسے اماں کا خیال بھی تھا۔ جوڑوں کے درد کی وجہ سے وہ اتنی رات تک نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ اس لیے اس نے منع کیا اور تقریبا بارہ بجے سب سے مل کر رخصت ہوا تھا۔

* * *

وہ چاہتی تو عاطف علی کا لندن جانا کینسل کروا دیتی بلکہ اسے آفس سے بھی نکلوا سکتی تھی لیکن اس نے ایسا سوچا بھی نہیں تھا کیونکہ اس کے اندر کوئی انتقامی جذبہ نہیں ابھرا تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ ابھی تک اپنی یک طرفہ اور ادھوری محبت کی ناکامی کا ماتم کرنے میں لگی ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ اگر اس سے متنفر ہو جاتی تب بھی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ اس سے اس کا اپنا وقار مجروح ہو سکتا تھا۔ یعنی عاطف علی جان جاتا کہ اس نے اپنی کسی غرض کے تحت اسے اپنی فرم میں اپائنٹ کیا تھا۔ گو کہ یہی سچ تھا لیکن وہ اس ظاہر نہیں کر سکتی تھی اور نہ ہی وہ یہ چاہتی تھی کہ گھر میں کسی کو عاطف علی کے انگیج ہونے کا پتا چلے۔ یوں اس کے لندن جانے کو وہ اپنے حق میں بہتر سمجھنے لگی تھی کہ ایک تو اسے سنبھلنے کا موقع مل گیا تھا۔

دوسرے اس نے سوچ لیا کہ کچھ وقت گزرنے کے بعد وہ آپی کے سامنے عاطف علی سے لاتعلقی ظاہر کرتے ہوئے کہہ دے گی کہ وہ کوئی وقتی جذبہ تھا جس سے وہ مغلوب ہو گئی تھی ورنہ اب وہ اس کے بارے میں نہیں سوچتی۔ بہر حال یہ بعد کی باتیں تھیں ابھی تو وہ اس کے

جانے کو بھی شدت سے محسوس کر رہی تھی۔ کسی بات کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ عجیب سی بے چینی تھی۔ جو اسے آفس میں بھی کوئی کام نہیں کرنے دیتی تھی۔

اس وقت اس نے خود کو مصروف کرنے کی بہت کوشش کی' لیکن کامیابی نہیں ہوئی تب وہ ڈیڈی سے کہہ کر آفس سے نکل آئی۔ خیال تھا گھر جا کر سو جائے گی لیکن پھر راستے ہی میں اس کا ارادہ بدل گیا۔ راؤنڈ اباؤٹ سے گاڑی فراز کے گھر جانے والے راستے پر ڈالی تھی کہ دور اسٹاپ پر کھڑی لڑکی نے اس کی توجہ کھینچ لی۔ وہ فوراً اسے نہیں پہچان سکی تھی اور کیونکہ پہلے کہیں دیکھی ہوئی لگ رہی تھی۔ اس لیے پہچاننے کی کوشش میں اس نے گاڑی کی اسپیڈ کم کر دی اور اس کے قریب پہنچ کر بالکل غیر ارادی طور پر جہاں اس نے گاڑی روک دی وہاں اسے پہچان بھی لیا تھا۔

''سحر! تم سحر ہو نا؟'' اس کی طرف کا دروازہ کھول کر اس نے پکارنے کے ساتھ تصدیق بھی چاہی تو سحر اثبات میں ہر ہلا کر بولی۔

''جی السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام کہاں گھر جا رہی ہو آؤ' میں چھوڑ دوں گی۔''

''جی شکریہ میں چلی جاؤں گی۔'' سحر اس کی آفر پر کچھ کنفیوز سی ہو گئی۔

''فکر نہیں کرو میں تمہارے گھر نہیں جاؤں گی اور نہ ہی تم سے چائے کی فرمائش کرو گی۔'' اس نے بات ہی ایسی کی کہ سحر کو بیٹھنا پڑا۔

''چائے تو میں آپ کو ضرور پلاؤں گی۔''

''کالج سے آ رہی ہو؟'' اس نے ان سنی کر کے پوچھا۔

''جی!''

راستہ بتاتی جانا۔ مجھے تمہارا گھر نہیں معلوم۔''

اس نے کہا پھر قدرے توقف سے بظاہر سرسری انداز میں پوچھنے لگی۔'' عاطف علی نے خط تو لکھا ہوگا تمہیں۔''

”نہیں وہ مجھے خط نہیں لکھیں گے۔“ سحر کے جواب سے زیادہ اس کے اطمینان نے اسے حیران کیا تھا۔

”کیوں؟“

”بس وہ امی ناراض ہوتیں اس لیے۔“ سحر نے قدرے جھجک کر کہا تو اس بار اس نے کیوں کا سوال نہیں اٹھایا اور کچھ دیر کی خاموشی کے بعد پوچھنے لگی۔

”میں ٹھیک جا رہی ہوں۔“

”جی اگلے راؤنڈ اباؤٹ سے رائٹ ہینڈ۔“

”عاطف کا گھر تمہارے گھر سے قریب ہے۔“ پھر اس کے گھر کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے اس یوں پوچھ لیا تھا۔

”جی آپ پہلے میرے گھر آئیں پھر میں آپ کو وہاں بھی لے چلوں گی۔“

”ارے نہیں مجھے وہاں نہیں جانا اور تمہارے گھر بھی پھر کبھی آؤں گی' اوکے۔“ وہ اسے کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر وہاں سے چلی آئی تھی۔ کیونکہ وہ عام سے گھر میں رہنے والی عام سی لڑکی اسے خود پر حاوی لگنے لگی تھی۔ اور پھر لاکھ اس نے چاہا کہ اس عام سی لڑکی کو ذہن سے جھٹک دے لیکن وہ اس کی ہر سوچ میں کہیں نہ کہیں سے آن موجود ہوتی۔

اور پھر کبھی ارادتا اور کبھی غیر ارادی طور پر وہ اپنے ساتھ اس کا موازنہ کرنے لگتی اور ہر بار وہ اسے اپنے سے بہت کمتر لگتی۔ پھر بھی وہ اس سے حسد کرنے لگی تھی۔

یوں ہی کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ عاطف علی کو لندن گئے ہوئے دو مہینے ہو گئے تھے اور اسے تو اس کا انتظار نہیں تھا' بلکہ اب تو وہ اسے ایک خواب سمجھ کر بھول جانا چاہتی تھی۔ لیکن ڈیڈی جس طرح اس کے مستقبل کی پلاننگ کر رہے تھے اس سے وہ اسے بھولنے کی بجائے اپنے آس پاس محسوس کرنے لگتی تھی۔ یہ صورت حال اس کے لیے واقعی تکلیف دہ تھی۔ جس سے چھٹکارے کے لیے اسے بس اتنا ہی تو کہنا تھا کہ وہ عاطف علی سے شادی نہیں کرے گی۔ لیکن اتنی آسانی سے یہ سب کہہ دینا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ ابھی تو وہ خود کو تیار

کر رہی تھی۔

اس وقت وہ اپنے سامنے نئے بنگلے کا نقشہ پھیلائے بیٹھی تھی۔ جو کچھ دیر پہلے ڈیڈی نے اسے دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ عاطف علی کے آنے سے پہلے یہ بنگلہ تیار کروالیں گے۔ وہ جانتی تھی اس بات سے ان کا کیا مطلب ہے اور کچھ دیر کو تو وہ بھی سب بھول گئی تھی۔ اپنے سامنے نقشہ پھیلاتے ہوئے اس کی پُرشوق نظریں ادھر ادھر بھٹکنے لگیں۔ ڈرائنگ، ڈائننگ' بیڈ رومز اور کوریڈور میں تو جیسے وہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی تھی کہ معاً اس کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ آنکھوں کے سامنے دھند چھا گئی اور دھند کے اس پار عاطف علی کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے سارے گھر میں کھلکھلاتی ہوئی وہ تو نہیں تھی۔

”یہ' یہ میرا گھر ہے۔“ وہ نقشے پر یوں ہاتھ چلانے لگی جیسے سلیٹ پر لکھے کو مٹایا جائے۔ تب ہی دستک کے ساتھ دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے چونک کر سر اونچا کیا اور فراز کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں سے آپ ہی آپ گہری سانس خارج ہو گئی۔

”آ سکتا ہوں؟“ فراز نے وہیں رک کر پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”کیسی ہو؟“ اس روز کے بعد پھر آئی ہی نہیں۔ ایسے اچھا کیا جو نہیں آئیں۔ کیونکہ میں اگلے دن ہی بھلا چنگا ہو گیا تھا۔ اس کے بعد گھر میں ٹکتا ہی نہیں ہوں۔ صبح نکلتا ہوں تو پھر رات ہی میں جاتا ہوں۔“ فراز نے بیٹھتے ہی بولنا شروع کر دیا تھا۔

”کیوں سارا دن' میرا مطلب ہے کہیں جاب کر رہے ہو؟“ اس نے ٹوک کر پوچھا تو وہ آہ بھر کر بولا۔

”ہا آہ۔ جاب ہی کے لیے خوار ہو رہا ہوں اور آج آخری کوشش کے طور پر تمہارے پاس آیا ہوں۔ مجھے کوئی آس مت دلانا۔ مجھے صاف جواب چاہیے' ہاں یا نہیں۔“

وہ جس انداز سے بات کر رہا تھا اس سے وہ سمجھ گئی کہ وہ کوئی انتہائی اقدام سوچے بیٹھا ہے۔ اس لیے فوراً کچھ نہیں بولی۔ پہلے ٹیبل پر پھیلے نقشے کو رول کر کے ایک طرف رکھا پھر انٹر کام پر چائے کا کہنے کے بعد اسے دیکھ کر کہنے لگی۔

‘‘ہوں تو صاف جواب چاہیے تمہیں اگر میں کہوں نہیں تو کیا کرو گے؟’’

‘‘خودکشی۔’’

‘‘کیا؟’’ وہ اچھل پڑی۔

‘‘ہاں اپنا آگے پیچھے رونے والا کوئی نہیں ہے' اس لیے بڑے آرام سے مر سکتا ہوں۔ مزید خواری سے اچھا ہے' چین کی نیند سو جاؤں گا۔’’

‘‘بکو مت' کوئی چین کی نیند نہیں سو سکتے اور یہ تم اتنے بزدل کب سے ہو گئے۔ یونیورسٹی میں تو بڑے طرم خاں بنے پھرتے تھے۔ چہ چہ' بہت افسوس ہو رہا ہے مجھے اتنی مایوسی۔’’ وہ کتنی دیر تاسف کا اظہار کرتی رہی۔

‘‘میری جگہ اگر تم ہوتیں نا تو کب کی مر چکی ہوتیں۔’’ فراز نے جل کر کہا۔

‘‘جی نہیں' میں تمہاری طرح بزدل نہیں ہوں۔’’

‘‘جانتا ہوں۔ کتنی بہادر ہو اور اب مجھے اجازت دو بہت وقت لے لیا میں نے تمہارا۔’’

‘‘ارے! ابھی میں نے تمہیں جواب کہاں دیا ہے۔ آرام سے بیٹھو چائے آ گئی ہے چائے پیو۔’’ وہ پیون کو چائے اس کے سامنے رکھنے کا اشارا کرتے ہوئے بولی۔

‘‘گویا ابھی جواب دینا باقی ہے۔’’ وہ ابھی بھی مایوس تھا۔

‘‘ہاں وہ میں تمہارے خیالات جاننا چاہ رہی تھی۔ بہرحال' تمہیں خودکشی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جاب مل جائے گی تمہیں۔’’ اس نے کہا تو وہ فوراً بولا۔

‘‘میں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ مجھے کوئی آس مت دلانا۔’’

‘‘صرف آس نہیں دلا رہی۔ جاب دے رہی ہوں ابھی اسی وقت۔ اگر جیب میں بائیو ڈاٹا لیے پھرتے ہو تو لاؤ مجھے دے دو۔’’

‘‘یہ لو۔’’ اس نے فوراً پینٹ کی جیب سے لفافہ کھینچ کر اس کے سامنے ڈال دیا۔ جسے اس نے چائے پینے کے بعد اٹھایا تھا پھر اس میں سے پیپرز نکال کر دیکھتے ہوئے اچانک اس کی ذہنی رو بہک گئی تھی۔ بہت زیادہ عرصہ تو نہیں ہوا تھا۔ جب اس نے اسی طرح ایک شخص

کو اپائنٹ کیا تھا۔ ابالکل اچانک جیسے وہ اس کی زندگی میں آیا تھا۔ باقی پلاننگ تو بعد کی تھی پہلے تو سب آناً فاناً’’ ہوا تھا۔

کیا ہوا۔ کچھ گڑبڑ ہے کیا؟’’ فراز نے اپنے ڈاکومنٹس کی طرف اشارا کر کے پوچھا تھا۔

‘‘ہیں؟’’ وہ اس بے دھیانی میں اسے دیکھنے لگی۔

‘‘میر پاس اوریجنل سرٹیفکیٹس بھی ہیں۔ یہ دیکھو۔’’ فراز نے جیب سے دوسرا لفافہ نکال کر وہ بھی اس کے سامنے رکھ دیا۔ لیکن وہ متوجہ نہیں ہوئی کیونکہ اس کا ذہن کچھ اور سوچنے لگا تھا۔

‘‘ہیلو' کہاں کھو گئیں۔’’ فراز نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تو وہ چونکنے کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

‘‘ایک منٹ میں ابھی آتی ہوں۔’’ وہ کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تو فراز نے کچھ نا سمجھی کے عالم میں ذرا سے کندھے اچکائے پھر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے باقاعدہ انتظار شروع کر دیا حالانکہ اسے گئے ہوئے کوئی اتنی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ پھر بھی وہ کوفت میں مبتلا ہو گیا اور جیسے ہی وہ آئی فوراً بولا۔

‘‘اب تک تو میں اللہ کو پیارا ہو چکا ہوتا۔’’

‘‘شٹ اپ! ابھی تمہیں بہت کچھ کرنا ہے۔ تمہارے ماں باپ نے تمہارے لیے جیسا سوچا تھا ویسا بننا ہے تمہیں۔’’ اس نے اک بار پہلے بھی اس سے یہی کہا تھا اب پھر اپنی بات دہرائی تو وہ ہنستے ہوئے بولا۔

‘‘ارے میرے ماں باپ کی تو سب سے بڑی آرزو میرے سر پر سہرا سجانے کی تھی۔’’

‘‘ہاں' ان کی یہ آرزو ضرور پوری ہو گی اور بہت جلد۔’’ وہ بے اختیار بولنے لگی تھی۔ ‘‘میں بھی یہی کہنے جا رہی تھی کہ تم فوراً شادی کر لو۔ تمہیں ایک اچھے ساتھی کی ضرورت ہے۔ جس کے ساتھ تم دکھ سکھ شیئر کرو۔’’

‘‘او گاڈ! یہ عورتیں کس قدر جذباتی ہوتی ہیں۔ جہاں اپنا رہنا کھانا مسئلہ بنا ہوا ہے یہ اور

مس رجاء میری دوست اگر تمہارے آفس میں میرے لیے جگہ نہیں ہے تو صاف کہہ دو۔ میں بخدا بالکل برا نہیں مانوں گا اور ہاں اطمینان رکھو خودکشی بھی نہیں کروں گا۔“ فراز نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا تو وہ جھنجلا گئی۔

”پاگل ہو تم بالکل یہ میں نے کب کہا کہ آفس میں جگہ نہیں ہے۔ بہت جگہ ہے اور تمہیں میں جس پوسٹ پر اپائنٹ کروں گی اس کے بارے میں تم نے سوچا بھی نہیں ہو گا لیکن میری ایک شرط ہے۔“

”کیا؟“ وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”تمہیں جلدی شادی کرنی ہو گی اور وہ بھی میری پسند سے۔“ اس نے بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں اپنی شرط بتائی تو وہ بھی اسی کے انداز میں بولا تھا۔

”تمہاری پسند سے کرنے پر تو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن جلدی کیسے ممکن ہے۔“

”کیوں، کیوں ممکن نہیں ہے؟“ اس کے جارحانہ انداز پر وہ کچھ دیر پر سوچ انداز میں اسے دیکھتا رہا پھر پوچھنے لگا۔

”کون ہے، جس سے تم میری شادی کرانا چاہتی ہو؟“

وہ اس سوال سے واقعی سٹپٹا گئی لیکن فوراً سنبھل بھی گئی تھی۔

”اطمینان رکھو جو بھی ہے، بہت اچھی ہے۔“

”تمہاری کوئی دوست ہے یا؟“

”نہیں، دوست نہ رشتہ دار اور پلیز تم کوئی سوال مت کرو مجھے بھی تمہاری طرح صاف جواب چاہیے۔ ہاں یا نہیں۔“ اس نے کہا تو وہ اس کی بات لوٹا گیا۔

”اگر میں کہوں نہیں تو؟“

”تو بھی تمہیں جاب ضرور ملے گی۔“ وہ یقین سے کہہ کر مسکرائی۔

”تھینک یو تم اچھی دوست ہو۔ میں تمہارے خلوص پر شبہ نہیں کر سکتا۔ مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔ لاؤ کہاں ہے سہرا، ابھی باندھ لیتا ہوں۔“ اس نے کہا تو وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

”اب اتنی جلدی بھی نہیں۔ پہلے اپنے آپ کو اس کے قابل بناؤ۔ میرا مطلب ہے جس ایک کمرے میں تم رہتے ہو، وہاں تو تمہیں کوئی اپنی لڑکی دینے سے رہا۔“

”تمہارا مطلب ہے میں اپنے پرانے گھر میں چلا جاؤں۔ لیکن وہاں تو کرائے دار ہیں، جن کے ساتھ ایک سال کا ایگریمنٹ کیا تھا اور اس سے پہلے خالی کرانا بہت مشکل ہے۔“

”ہاں نہیں اسے رہنے دو۔ کلفٹن میں میرا اپارٹمنٹ خالی پڑا ہے۔ وہاں شفٹ ہو جاؤ، پھر میں تمہیں اس لڑکی کا گھر دکھا دوں گی۔ اس کے بعد سارا کام تمہارا ہے یعنی مجھے کہیں انوالو مت کرنا۔ میری بات سمجھ رہے ہو ناں؟“

وہ بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولتی ہوئی فراز کو بہت پراسرار لگ رہی تھی۔ اس کے باوجود اس نے کوئی سوال نہیں اٹھایا اور اس کی ہر بات پر اثبات میں سر ہلاتا گیا تھا۔

◆

جب سے عاطف علی لندن گیا تھا۔ انوار چچا روزانہ آفس سے واپسی پر خواہ چند لمحوں کے لیے نبی اماں کے پاس ضرور آتے تھے۔ حال احوال پوچھتے اور یہ کہ کوئی کام وغیرہ گویا ان کا فرض تھا۔ کسی دن دیر ہو جاتی تو پھر رات میں سحر کو بھی ساتھ لے آتے تھے۔ لیکن ادھر چار دونوں سے وہ آہی نہیں رہے تھے۔ جس سے اماں کو تشویش ہونے لگی، دن میں کتنی بار بیہ کے سامنے تشویش کا اظہار کر چکی تھیں اور شام میں ان کے ہاں چلنے کو تیار ہو گئیں۔

''چلو بیٹی! معلوم تو کر آئیں خدانخواستہ طبیعت خراب ہے یا۔''

''طبیعت خراب ہوتی تب بھی ضرور آتے۔ انہیں اصل میں چچی نے منع کیا ہوگا۔'' بیہ نے یقین سے کہا تو اماں ناگواری سے بولیں۔

''وہ کیوں منع کریں گی، چلو اٹھو۔''

''آپ ہو آئیں نا اماں! میرا دل نہیں چاہ رہا۔'' بیہ نے سستی سے کہا لیکن پھر اماں کے گھورنے پر فوراً کھڑی ہو گئی اور بھاگ کر اپنی چادر اٹھا لائی۔

''تمہاری چچی مزاج کی الگ ہیں، لیکن دل کی بری نہیں ہیں۔ تم ان کی باتوں کا برا نہیں مانا کرو۔'' راستے بھر اماں اسے سمجھاتی آئی تھیں۔ وہ راستے کا خیال کر کے خاموش رہی ورنہ اگر گھر میں ہوتی تو اماں کو خاموش کرا دیتی۔

''ارے اماں! یہ اتنی بڑی گاڑی میں چچا کے ہاں کون آیا ہے؟'' اس نے گیٹ پر کھڑی گاڑی کو شوق سے دیکھتے ہوئے اماں کا بازو ہلا کر انہیں بھی ادھر متوجہ کیا۔

''آیا ہو گا کوئی ان کے دفتر سے۔ دیکھا میں نے کہا تھا ان کی طبیعت خراب ہو گی، چلو اندر چلو۔''

اماں نے اسے دھکیلا تو وہ بڑبڑاتی ہوئی آگے چل پڑی اور لاؤنج میں انوار چچا کو اکیلے بیٹھے دیکھ کر اسے خاصی حیرت ہوئی۔

''السلام علیکم چچا جان!'' سلام کرتے ہوئے اس کی متلاشی نظریں ادھر ادھر بھٹکنے لگی تھیں۔

''آں، ہاں وعلیکم السلام۔''

انوار چچا جانے کس سوچ میں تھے۔ اس کی آواز پر چونکنے کے ساتھ جانے کیوں گھبرا بھی گئے تھے۔ پھر اس کے پیچھے اماں کو دیکھ کر بولے۔

''بھابھی بھی آئی ہیں۔ آیئے آیئے، آپ لوگ میرے کمرے میں آ جائیں۔''

''سحر آپی کہاں ہیں؟'' وہ ان کے پیچھے چلتی ہوئی پوچھنے لگی۔

''تم بیٹھو، سحر بھی آ جائے گی۔'' انوار چچا نے کمرے میں داخل ہو کر کہا، پھر اسے اور اماں کو بٹھا کر آہستہ سے کمرے کا دروازہ بند کر دیا تب وہ ان کی گھبراہٹ محسوس کر کے کچھ ٹھٹھک کر پوچھنے لگی۔

''کیا بات ہے چچا جان! آپ پریشان لگ رہے ہیں؟''

''ہاں، نہیں...... کوئی ایسی بات نہیں ہے، آپ سنائیں بھابھی سب خیریت ہے ناں میں ادھر کئی دنوں سے آپ کے پاس آ نہیں سکا۔ بس کچھ طبیعت خراب تھی اور وہ عاطف اس کا خط تو آیا ہو گا۔؟'' وہ غالباً اپنی پریشانی چھپانے کو کچھ بے سروپا بولنے لگے تھے اور اماں اپنی

سادگی میں ان کی ایک ایک بات کا جواب دینے لگیں۔

”اللہ کا شکر ہے۔ سب خیریت ہے۔ آپ نہیں آئے تو مجھے یہی خیال آیا کہ طبیعت خراب ہوگئی۔ عاطف کا خط ابھی دوروز پہلے ایا تھا۔ آپ سب کو سلام لکھا ہے۔“

”وعلیکم السلام آنے کا نہیں لکھا اس نے کب تک آئے گا؟“ انہوں نے سلام کے جواب کے ساتھ پوچھا تو اس بار اماں سے پہلے وہ بول پڑی۔

”ارے چچا جان! ابھی تو انہیں گئے ہوئے صرف تین مہینے ہوئے ہیں اور انہوں نے ایک سال بعد آنے کو کہا تھا۔“

”ایک سال۔“ انوار چچا مایوس نظر آنے لگے تھے۔

”میں سحر آپی کے پاس جا رہی ہوں۔“ اس نے سرگوشی میں اماں سے کہا اور فوراً اٹھ کر کمرے سے نکل آئی۔ ڈرائینگ روم سے باتوں کی آواز آ رہی تھی' لیکن اس نے توجہ نہیں دی اور سیدھی سحر کے کمرے میں آئی تو وہ تکیے میں منہ چھپائے لیٹی تھی۔

”تو آپ کو خبر ہوگئی کہ آپ کے سسرال والے آئے ہیں۔“ اس نے شرارت سے کہتے ہوئے اس کے منہ پر سے تکیہ کھینچا اور مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ایک دم ٹھٹھک گئی۔ کیونکہ ادھر وہ زاروقطار رو رہی تھی۔

”سحر آپی!“ وہ تکیہ پھینک کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔

”کیا ہوا ہے کیوں رو رہی ہیں۔ بتائیں نا چچی جان کو بلاؤں۔“

”نہیں۔“ سحر نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیا پھر دوپٹے سے آنکھیں اور چہرہ صاف کر کے پوچھنے لگی۔ ”کس کے ساتھ آئی ہو؟“

”اماں کے ساتھ۔“

”کہاں ہیں اماں؟“

”ادھر چچا جان کے کمرے میں۔ کیوں آپ اتنی پریشان کیوں ہوگئیں اور ہاں چچا جان بھی ہمیں دیکھ کر ایسے ہی پریشان سے ہوگئے تھے۔ پھر فوراً اپنے کمرے میں لے گئے۔“ بیہ کو

اچانک ہر بات غیر معمولی لگنے لگی تھی۔ ”ایسا لگ رہا تھا جیسے ہم سے کچھ چھپانا چاہ رہے ہیں جب ہی تو انہوں نے کمرے کا دروازہ بھی بند کر دیا اور یہاں آپ رو رو کر ہلکان ہو رہی ہیں۔ کچھ تو بتائیں سحر آپی کیا ہوا ہے۔“

”ابو نے کچھ نہیں بتایا تمہیں؟“ سحر نے رندھی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”نہیں آپ بتائیں۔“ اس نے محبت سے سحر کا ہاتھ تھاما تو وہ بری طرح بکھر گئی۔ آنسوؤں میں اور شدت آ گئی تھی اور ہونٹوں میں الفاظ ٹوٹنے لگے۔

”میرے ساتھ اچھا نہیں ہو رہا بیہ! امی میری شادی کر رہی ہو۔“

”کیا؟“ اسے شدید دھچکا لگا تھا۔ ”سحر آپی آپ ہوش میں تو ہیں کیا کہہ رہی ہیں آپ؟“

سحر نے پھر تکیہ کھینچ کر منہ پر رکھ لیا اور سسکتے ہوئے اس کا پورا وجود ہلنے لگا تھا۔ وہ کتنی دیر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی اس کا ذہن چٹخنے لگا تھا۔ چی جان کا روّیہ خواہ کیسا بھی رہا ہو' لیکن ایسا تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

”سحر آپی!“ وہ ایک دم اسے جھنجوڑ کر چیخ پڑی۔ ”ایسا نہیں ہو سکتا آپ میرے بھائی سے منسوب ہیں اور آپ کی شادی ان ہی کے ساتھ ہوگئی۔ میں ۔۔۔۔ میں پوچھتی ہوں چچا جان سے۔“

”نہیں بیہ!“ سحر نے اسے روکنا چاہا لیکن وہ جھٹکے سے اس کے ہاتھ سے اپنے دوپٹے کا پلو کھینچ کر کھڑی ہوگئی اور اسی تیزی سے کمرے سے نکلی تو لاؤنج میں چچی جان کے سامنے اماں کو روتے گڑگڑاتے دیکھ کر اسے ایک اور دھچکا لگا تھا' پھر بھی بھاگ کر اماں کو کندھوں سے تھام لیا۔

”کیا ہوا اماں؟“

”ان سے ہماری خوشیاں نہیں برداشت ہو رہیں۔“ چچی جان نے نخوت سے سر جھٹک کر کہا تو وہ جیسے سمجھ کر بھی نہیں سمجھی۔

”جی چچی جان؟“

‘‘ہمیں سحر کے لیے ایک اعلیٰ رشتہ مل گیا ہے۔ جیسا میں اس کے لیے چاہتی تھی۔ لڑکے کی رہائش کلفٹن میں ہے اور ایک بڑی فرم میں مینجر ہے عنقریب اپنا بزنس بھی شروع کرنے والا ہے۔’’ چچی جان تفاخر سے بتا رہی تھیں۔

‘‘لیکن بھابھی! میرا عاطف بھی تو ماشاءاللہ افسر بن گیا ہے۔ پھر اس کی سحر کے ساتھ منگنی بھی ہو چکی ہے۔’’ اماں نے روتے ہوئے فریاد کی۔

‘‘منگنی ہی ہوئی تھی نا' اگر نکاح ہوتا تو بھی توڑا جا سکتا تھا یہ کوئی معیوب بات نہیں ہے۔ میں اپنی بیٹی کی بہتری سوچ رہی ہوں۔’’

‘‘بہتری سوچ رہی ہیں خوشی بھی تو سوچیں۔ جا کر دیکھیں سحر آپی کس طرح رو رو کر ہلکان ہو رہی ہیں۔’’ اس نے تاسف کے اظہار کے ساتھ کہا تو چچی جان بے نیازی سے بولیں۔

‘‘نادان ہے وہ۔’’

‘‘وہ نادان نہیں ہیں آپ۔’’

‘‘بس لڑکی! زیادہ زبان چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔’’ چچی جان کو ایک دم غصہ آ گیا۔

‘‘اور تم ہوتی کون ہو' ہمارے معاملے میں بولنے والی۔ میں نے تو آج تک تمہارے گھر کے کسی معاملے میں دخل نہیں دیا۔’’

‘‘یہ بچی ہے بھابھی! اس کی باتوں کا برا نہیں مانیں۔’’ اماں نے اسے دھکیل کر پیچھے کرتے ہوئے منت بھرے لہجے میں کہا۔

‘‘بچی ہے یہ' بچی سے کہو اپنی حد میں رہے۔’’ چچی جان پاؤں پٹختی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ تو اماں بھی ان کے پیچھے جانے لگی تھیں' لیکن اس نے فوراً سامنے آ کر راستہ روک لیا۔

‘‘کوئی فائدہ نہیں اماں!’’

‘‘مجھے بات تو کر لینے دو۔’’

‘‘نہیں بس گھر چلیں۔’’ وہ زبردستی اماں کو وہاں سے کھینچ لائی تھی۔

گھر آ کر بھی اماں کا رونا جاری تھا اور دکھ تو اسے بھی تھا' لیکن اس سے زیادہ غصہ جس پر وہ کسی طرح قابو نہیں پا رہی تھی اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو اماں پر چلانے لگی۔

‘‘کیوں رو رہی ہیں آپ؟ میرے بھائی کے لیے کوئی کمی ہے کیا' سحر آپی سے ہزار گناہ اچھی لڑکی ملے گی انہیں۔ چچی جان دیکھیں گی تو۔’’

‘‘ارے گولی مارو چچی کو۔ مجھے سحر کا خیال آ رہا ہے۔ وہ بے چاری تو۔’’

آنسوؤں کے باعث اماں کی آواز حلق ہی میں اٹک گئی تھی ۔۔۔۔۔۔۔۔ اس نے پاس بیٹھ کر ان کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنا لیا پھر ان کے کندھے پر سر رکھتے ہوئے بولی۔

‘‘ہم کیا کر سکتے ہیں اماں! ہمارا تو کوئی اختیار نہیں اور چچا جان با اختیار ہوتے ہوئے بھی چچی جان کے سامنے بے اختیار ہیں۔’’

‘‘تم عاطف کو خط لکھو فوراً واپس آئے۔’’

‘‘کیا کریں گے وہ واپس آ کر الٹا ان کا اپنا مستقبل خراب ہوگا نہیں اماں! بھائی کو میں کبھی نہیں لکھوں گی۔ پردیس میں بے چارے اکیلے کتنے پریشان ہو جائیں گے۔’’

وہ ایک دم اپنی عمر سے بڑی اور سمجھ داری کی باتیں کرنے لگی تھی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی نظریں اپنی ٹیبل پر سجے سرخ رنگ کے کارڈ پر پڑی تھیں۔ جسے اس نے بیٹھنے سے پہلے ہی بے تابی سے اٹھا کر دیکھا اور ابھی اس کی نظریں راز ہمدانی ہمراہ سحر انوار الحق پر تھیں کہ فون کی بیل نے اس کی توجہ کھینچ لی۔

‘‘ہیلو!’’ ریسیور اٹھانے کے ساتھ اسے بیٹھنے کا خیال آیا تھا۔

‘‘فراز ہمدانی کا سلام لو۔’’ ادھر سے فراز نے چہکتے ہوئے کہا تو وہ بھی خوش ہو کر بولی۔

‘‘اوہ فراز! ابھی میں تمہارا کارڈ دیکھ رہی تھی کب ہے شادی؟’’

‘‘اچھی طرح دیکھو تاریخ اس پر لکھی ہے۔ تم آؤ گی نا!’’

فراز نے بھی اس کی طرح جواب کے ساتھ سوال اٹھایا تو وہ معذرت کرتے ہوئے بولی۔

‘‘سوری فراز! میں نہیں آسکوں گی۔’’

‘‘کیوں؟’’

‘‘وہ اصل میں میری اپنی فیملی میں ایک دو شادیاں ہیں اور یہاں بھی نہیں اسلام باد میں اسی سنڈے کو ممی کے ساتھ اسلام آباد جا رہی ہوں۔’’ اس نے بڑی جلدی عذر تراش لیا تھا۔

‘‘اس کا مطلب ہے میں تمہاری طرف سے تحفے کی امید بھی نہ رکھوں۔’’ فراز نے مایوسی سے کہا تھا۔

‘‘ارے نہیں تحفہ تو میں تمہیں ضرور دوں گی، تمہاری شادی کے دن میرا تحفہ تم تک پہنچ جائے گا اوکے۔’’

‘‘اوکے۔’’ فراز نے سلسلہ منقطع کر دیا تو وہ ریسیور رکھتے ہوئے اپنے آپ سے بولی تھی۔

‘‘یہ تو بہت جلد باز نکلا۔ کتنی جلدی سارے مراحل طے کر لیے اور وہ لڑکی سحر وہ کیسے مان گئی۔’’ وہ پھر کارڈ اٹھا کر دیکھنے لگی۔

‘‘فراز ہمدانی ہمراہ **سحر** انوار الحق۔’’ اس کے ہونٹ مسلسل ان ہی دو ناموں پر حرکت کر رہے تھے کہ معاً سماعتوں پر دستک ہونے لگی۔

‘‘اسے کزن سے زیادہ مجھے اپنی منگیتر کہنا اچھا لگتا ہے۔’’

‘‘اور مجھے تم اچھے لگتے ہو صرف تم۔ معاف کرنا عاطف علی! محبت میں، میں تھوڑی سی خود غرض ہو گئی ہوں۔ لیکن میں نے کچھ برا تو نہیں کیا۔ سحر انشاء اللہ فراز کے ساتھ بہت خوش رہے گی اور تم میری محبت میں سب بھول جاؤ گے۔’’

وہ چیئر کی بیک پر سر ٹکا کر اپنے آپ بولے جا رہی تھی کہ ڈیڈی کا بلاوا آ گیا۔ وہ جلدی سے جو فائل ہاتھ لگی اٹھا کر ڈیڈی کے کمرے میں آئی تو وہ اسے دیکھتے ہی بولے تھے۔

‘‘رجاء بیٹا! یہ آپ کیا کر رہے ہو؟’’

‘‘کیا ہوا ڈیڈی! میں سمجھی نہیں۔’’

‘‘وہ ایک لڑکا جسے آپ نے اپائٹ کیا تھا کیا نام ہے اس کا؟’’

''فراز۔''

''ہاں فراز میں نے سنا ہے وہ آپ کے اپارٹمنٹ میں رہ رہا ہے۔''

ڈیڈی نے بات کے اختتام پر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ جیسے مطمئن سے ہو کر بولی تھی۔

''جی ڈیڈی! میں نے خود اسے رہائش کے لیے دیا ہے۔''

''ظاہر ہے آپ ہی نے دیا ہے اور وہی میں پوچھ رہا ہوں کیوں۔ اس کا اپنا گھر نہیں ہے۔ اس سے پہلے کہاں رہتا تھا اور اس کے گھر والے۔''

''اس کا کوئی نہیں ہے ڈیڈی! ماں باپ بہن بھائی کوئی بھی نہیں بے چارہ بالکل اکیلا ہے اور میں نے آپ کو بتایا تو تھا کہ وہ میرے ساتھ پڑھتا تھا۔ آئی مین میں اسے یونیورسٹی سے جانتی ہوں۔'' اس نے فراز سے ہمدردی جتاتے ہوئے کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے بیٹا! کیا یہ کافی نہیں تھا کہ آپ نے اسے جاب دے دی' اس کے بعد رہائش دینے کی کیا ضرورت تھی اور مجھے بتایا تک نہیں۔'' ڈیڈی نے ناراضی سے کہا تو وہ اندر ہی اندر جزبز ہو کر بولی۔

''سوری ڈیڈی! میں آپ کو بتانا بھول گئی۔''

''بہر حال اس سے کہو اپنا کہیں اور انتظام کرے۔ مجھے اکیلے لڑکے کا وہاں رہنا پسند نہیں ہے۔''

''اکیلا نہیں' ڈیڈی میرا مطلب ہے' اس کی شادی ہونے والی ہے۔ اگلے ہفتے ہے اس کی شادی اور ڈیڈی اتنی جلدی تو وہ کوئی اور انتظام نہیں کر سکے گا۔ ویسے میں اس سے کہہ دوں گی دو چار مہینے میں میرا اپارٹمنٹ خالی کر دے۔'' وہ کچھ بوکھلا کر جلدی جلدی بول رہی تھی۔

''دو چار مہینے۔'' ڈیڈی نے پر سوچ انداز میں دہرایا پھر اسے دیکھ کر کہنے لگے۔ ''ٹھیک ہے چھ مہینے کا ٹائم دے دو' اسے اس سے زیادہ نہیں اور سنو بیٹا! آئندہ کسی پر اتنا بھروسا نہیں کرنا لوگ وہ نہیں ہوتے جو نظر آتے ہیں۔ انڈر اسٹینڈ۔''

''جی!'' اس نے مزید فراز کی طرف داری میں کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ کیونکہ ڈیڈی کا اس کے لیے مشکوک انداز اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اور وہ جتنا بولتی اس قدر اس کے خلاف سننا پڑتا اس لیے بات ختم کر کے وہاں سے چلی آئی تھی۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ اس نے فراز کو شادی کا گفٹ ہنی مون کے لیے ٹکٹ بھیجے تھے۔ اس کے بعد وہ اس سے بالکل بے خبر ہو گئی۔ یعنی یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ اسے سحر کیسی لگی وہ اس شادی سے خوش بھی ہے یا نہیں اور آئندہ بھی اس کا اس موضوع پر بات کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس کے حساب سے یہ باب یہیں ختم ہو چکا تھا اور اب وہ اپنے لیے سوچنے لگی تھی۔ عاطف علی کو گئے ہوئے چھ مہینے سے زیادہ ہو گئے تھے اور اس کی واپسی میں بھی اتنا ہی عرصہ تھا۔ وہ اب دن گننے لگی تھی یہاں تک سوچتی کہ اس کی آمد کون سے موسم میں ہو گی' اس وقت وہ کیلنڈر سامنے رکھے مہینوں کے حساب سے موسموں کا شمار کر رہی تھی کہ فراز آ گیا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی بولا تھا۔

''ہیلو فرینڈ!''

''ہیلو۔'' وہ اسے دیکھ کر قصداً ذرا سا مسکرائی۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' وہ اس کے کہے بغیر کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''تم یہاں کیسے نظر آ رہے ہو؟'' وہ اس کی بات ان سنی کر کے پوچھنے لگی۔ ''ڈیڈی نے بلایا ہے کیا؟''

''ہاں انہوں نے ہی بلایا تھا لیکن وہ خود غائب ہیں۔ خیر یہ فائل تم لے لو اور سنو میرے لیے اسی آفس میں کوئی جگہ نکالو وہاں میرا دل نہیں لگتا۔''

''سوری' یہاں کوئی جگہ نہیں ہے اور تم جگہ مت دیکھو' بس اپنا کام کرو۔'' اس نے سہولت سے منع کرتے ہوئے کہا۔

''کام میں بھی اسی وقت دل لگتا ہے جب۔ ...... وہ ایک دم خاموش ہو گیا۔ پھر کندھے اچکا کر بولا۔ ''سوری' میں بھول جاتا ہوں کہ میں یہاں ملازم ہوں اور ملازم کو

صرف کام کرنا ہوتا ہے۔’’

‘‘یہ فائل ڈیڈی کو دینی ہے۔’’ وہ پھر اس کی بات نظر انداز کر گئی۔

‘‘ہاں، ابھی ایک گھنٹہ پہلے انہوں نے مجھے فون کیا تھا کہ میں یہ فائل لے کر آ جاؤں۔ کب تک آ ئیں گے وہ؟ مجھے ایک دو بل بھی سائن کروانے ہیں۔’’ اس نے ایک طرح سے جتا دیا کہ ڈیڈی کی آمد تک وہ یہیں بیٹھے گا اور وہ سمجھ کر بھی سرسری انداز میں کہنے لگی۔

‘‘ٹھیک ہے، بل بھی چھوڑ جاؤ۔ میں سائن کروا دوں گی۔’’

‘‘نہیں مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔’’ وہ ڈھٹائی سے کہنے لگا۔ ‘‘اس بہانے تم سے ملاقات ہو گئی۔ تم تو لگتا ہے مجھے بھول ہی گئیں اور ہاں کیا یاد آیا۔ میری بیوی سحر یا، وہ تو تمہیں جانتی ہیں نہیں۔’’

‘‘میں بھی اسے نہیں جانتی۔’’ وہ فوراً بولی تھی۔

‘‘پھر میرا مطلب ہے۔’’

‘‘میں تمہارا مطلب سمجھ رہی ہوں۔’’ وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی۔ ‘‘مجھے اصل میں کسی نے کہا تھا کہ کوئی اچھا پرپوزل ہو تو بتانا۔ ان ہی دونوں اتفاق سے تم آ گئے اور اگر تم زندگی سے مایوس نہ ہوتے تو میں ہرگز بھی تمہاری شادی کا نہ سوچتی کیونکہ یہ سراسر تمہارا ذاتی مسئلہ تھا۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن جس طرح تم مایوس ہو کر خودکشی کی باتیں کرنے لگے تھے اس سے مجھے یہی خیال آیا کہ اگر تمہارے ساتھ کسی اور کی زندگی وابستہ ہوتی تو تم اس طرح مرنے کی باتیں نہ کرتے۔ یوں میں نے تمہارے سامنے جاب کے ساتھ شادی کی شرط بھی رکھ دی۔’’

‘‘سحر کے ساتھ ہی کیوں؟’’ وہ بہت کھوجتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

‘‘وہ سحر ہوتی یا کوئی بھی۔ میرے پاس اس وقت وہی ایک پرپوزل تھا اور میرا مسئلہ وہ نہیں تم تھے۔ میں چاہتی تھی تم زندہ رہو زندگی سے پیار کرو سچ بتاؤ، کیا اب تم خوش نہیں ہو؟’’ وہ بڑی خوب صورتی سے بات بنا گئی تھی۔

‘‘میں تو خوش ہوں لیکن!’’

‘‘لیکن کیا؟’’ اس نے ٹوکا تو وہ پرسوچ انداز میں بولا۔

‘‘مجھے لگتا ہے سحر میرے ساتھ خوش نہیں ہے۔ بہت چپ چپ سی رہتی ہے۔’’

‘‘سوری فراز! اس بارے میں تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ہو سکتا ہے شروع سے کم گو ہو۔ ویسے نئی زندگی میں ایڈجسٹ ہونے میں بھی کچھ وقت لگتا ہے۔ اب پتا نہیں تمہارا رویہ اس کے ساتھ کیسا ہے۔ میرا خیال ہے تم اس پر بلاوجہ کا رعب جماتے ہو گے۔’’ اس نے آخر میں شرارت سے کہا تو وہ اچھل پڑا۔

‘‘کیا مطلب ہے تمہارا؟’’

‘‘بعض مردوں کی عادت ہوتی ہے نا۔ بیویوں کو رعب میں رکھنے کی۔’’

‘‘تمہیں کیا پتا، تمہاری تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔ ویسے تم نے کیا شادی نہ کرنے کی۔’’

‘‘نہیں میں نے ایسی کوئی قسم نہیں کھائی۔’’ وہ فوراً بولی تھی۔

‘‘پھر کیا بوڑھی ہو کر کرو گی۔’’ اب چھیڑنے کی باری فراز کی تھی۔

‘‘جی نہیں، سال چھ مہینے میں، میں بوڑھی نہیں ہو جاؤں گی۔’’ وہ روانی میں کہہ گئی۔

‘‘سال چھ مہینے...... ہوں اس کا مطلب ہے بات پکی ہو چکی تمہاری، کون ہے، کیا کرتا ہے، یقیناً بزنس مین ہو گا۔’’ اس نے خود ہی قیاس بھی کر لیا۔

‘‘وہ جو بھی ہے تم اسے چھوڑو اور اپنا سوچو تمہارے گھر کا مسئلہ حل ہوا کہ نہیں۔’’ اس نے ایک دم یاد آنے پر گھر کا پوچھا تو وہ اطمینان سے بولا۔

‘‘نہیں یار! وقت ہی نہیں ملتا۔ ویسے تمہیں کیا ضرورت ہے اپارٹمنٹ کی۔ کرائے پر دینا چاہتی ہو تو مجھ سے لے لیا کرو کرایہ۔’’

‘‘کرائے کی بات نہیں ہے فراز! وہ اصل میں ڈیڈی کو ضرورت ہے اور انہوں نے ہی اسے خالی کرنے کو کہا ہے۔’’ وہ اس کے اطمینان پر جزبز ہو کر بولی تھی۔

''او کے کوشش کروں گا کہ جلد کہیں گھر مل جائے۔'' فراز کا انداز ہنوز سرسری تھا۔

''تمہارا اپنا گھر بھی تو ہے۔ اسے خالی کروا کے تم وہاں کیوں نہیں شفٹ ہو جاتے بلکہ تمہیں وہیں جانا چاہیے۔'' اس نے زور دے کر کہا۔

''نہیں وہاں نہیں۔''

''کیوں؟''

''کیوں کا جواب خاصہ طویل ہے' اس لیے پھر کبھی سہی۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ تو اس نے قصداً اسے نہیں روکا۔ لیکن اس کے جانے کے بعد بہت دیر تک سوچتی رہی۔

* * *

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

فراز کا اپنا گھر موجود تھا جسے اس نے اس وقت کرائے پر اٹھا دیا تھا جب اس کے پاس آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اور خود ایک کمرے کے فلیٹ میں چلا گیا تھا جو خاصے پس ماندہ علاقے میں تھا اور اس کا گھر بھی ایسے ہی کسی علاقے میں تھا جہاں وہ پیدا ہوا پلا بڑھا لیکن اب وہ وہاں جانے کو تیار نہیں تھا۔ کیونکہ اس نے زندگی کا یہ دوسرا رخ دیکھ لیا تھا کلفٹن پر واقع' ویل ڈیکوریٹڈ اپارٹمنٹ میں چند مہینے قیام سے پتا نہیں اس کی سوچیں بدل گئی تھیں یا وہ اپنی اوقات بھول گیا تھا۔ جو رجاء کے بار بار ٹوکنے کے باوجود وہ سنجیدہ نہیں ہو رہا تھا۔ جو اپنے لیے کہیں اور انتظام کرنے کی سوچتا اس کے برعکس وہ اس اپارٹمنٹ میں اپنا قیام اگر مستقل نہیں تو طویل کرنے کی سوچنے لگا تھا اور اس کے لیے وہ رجاء کے سامنے مظلوم بن کر یا کسی بھی طرح اسے چکر دے سکتا تھا' لیکن اس کے ڈیڈی کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔ نہ ہی وہ ایسا چاہتا تھا کہ کسی دن اس کے ڈیڈی صاف لفظوں میں اس سے کہہ دیں کہ اپارٹمنٹ خالی کر دو۔ اس سے پہلے ہی وہ رجاء کو اپنے حق میں بولنے پر مجبور کر دینا چاہتا تھا۔ حالانکہ جتنا وہ اس کے لیے کر سکتی تھی' اس

سے زیادہ کر چکی تھی۔ لیکن وہ شاید قناعت کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔ جب ہی اس کے سارے احسان بھول کر اب اس کی کمزوریاں ڈھونڈنے لگا تھا تا کہ اسے اپنے اشاروں پر چلا سکے۔

اور اس کے لیے اس کا ذہن بار بار ایک ہی بات میں الجھتا تھا جو اسے اول روز ہی کھٹکی تھی کہ آخر رجاء نے اسے جاب دینے کے ساتھ شادی کی شرط کیوں رکھی تھی۔ وہ بھی اپنی مرضی سے پھر سحر کے گھر کا پتا بھی سمجھا دیا تھا کہ اس لڑکی سے شادی کرنی ہے اور اس وقت گو کہ وہ مجبور تھا لیکن اتنا بھی نہیں کہ اس کی شرط مانے بغیر کوئی چارہ ہی نہ ہو۔ بلکہ خود اس نے بھی کہا تھا کہ اگر وہ نہیں مانے گا تب بھی وہ اسے جاب ضرور دے گی۔ اس کے باوجود وہ مان گیا تھا۔ ایک تو یہ سوچ کر سب کچھ ایک ساتھ مل رہا تھا۔ جاب‘ گھر اور بیوی‘ دوسرے وہ اپنے طور پر اس پر احسان کر گیا تھا تا کہ کبھی وقت پڑنے پر وہ اس احسان کو بھی کیش کرا سکے۔ گویا وہ شروع سے کم ظرف تھا اور ایسے لوگ خود پر کتنے خول چڑھا لیں بالآخر کہیں نہ کہیں اپنے اصل رنگ میں سامنے آ ہی جاتے ہیں۔

بہر حال وہ ابھی ظاہر تو نہیں ہوا تھا‘ لیکن اندر ہی اندر جانے کیا کیا پلان بناتا رہتا تھا اور مسلسل اس تگ و دو میں تھا کہ کسی طرح اس بات کی تہہ تک پہنچ جائے کہ جاب کے ساتھ شادی کی شرط کیوں رکھی گئی اور سحر ہی کے ساتھ کیوں۔ یہ بات وہ اس سے بھی پوچھ چکا تھا اور اس کا جواب اسے ہضم نہیں ہوا تھا۔ اس کے خیال میں وہ بزنس مین کی بیٹی اتنی بے غرض ہو ہی نہیں سکتی۔

اس وقت وہ بظاہر ٹی وی پر نظریں جمائے بیٹھا تھا‘ لیکن اس کا ذہن مسلسل اس غرض تک پہنچنے کی سعی میں لگا ہوا تھا کہ سحر اس کے لیے چائے لے کر آ گئی وہ ٹی وی پر سے نظریں ہٹا کر غائب دماغی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

”چائے لیجیے۔“ سحر نے دوبارہ کہا تب چونکنے کیساتھ اس کے سینے سے گہری سانس خارج ہوئی تو وہ سادگی سے پوچھنے لگی۔

”کیا بات ہے۔ آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟“

”طبیعت تو ٹھیک ہے۔ البتہ دماغ گھوم رہا ہے۔“ وہ اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لے کر بولا۔

”کوئی پریشانی ہے؟“

”نہیں۔“ اس نے پہلے ٹالنا چاہا۔ پھر ایک دم اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے بولا۔ ”فرض کرو اگر میں پریشان ہوں تو تم کیا کرو گی۔“

”میں کیا کروں گی۔“ وہ سوچنے کے بعد اسے دیکھ کر بولی۔ ”پتا نہیں میرا مطلب ہے جب تک مجھے یہ نہیں معلوم ہو گا کہ آپ کس بات سے پریشان ہیں تب تک تو میں کچھ نہیں کر سکتی۔“

”گویا معلوم ہونے کے بعد کچھ کر سکتی ہو؟“

”جی اگر میرے اختیار میں ہوا تو۔ آپ بتائیے کیا بات ہے؟“ اس نے جواب کے ساتھ پوچھا تو وہ فوراً کچھ نہیں بولا چائے کے آخری دو تین گھونٹ لینے کے بعد سگریٹ سلگائی پھر کہنے لگا۔

”یہ اپارٹمنٹ میرا نہیں ہے۔ بلکہ میرے باس کی بیٹی رجاء کا ہے۔ رجاء کے مجھ پر بہت احسانات ہیں۔ میرے والد کے انتقال کے بعد جب میں بالکل اکیلا ہو گیا تھا اور بیمار بھی تو اس نے میرا بہت ساتھ دیا۔ نہ صرف یہ کہ میرا علاج کرایا۔ مجھے اپنی فرم میں جاب بھی دی۔ اس کے ساتھ یہ اپارٹمنٹ اور پھر میری شادی بھی کرا دی۔ تمہارے ساتھ۔“

وہ آخر میں اسے دیکھ کر مسکرایا تو وہ جو بغور اسے سن رہی تھی بے اختیار پوچھ گئی۔

”رجاء نے؟“

”ہاں‘ حالانکہ میں اس وقت شادی کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا لیکن اس کا اصرار تھا کہ میں تم سے شادی کر لوں اور ظاہر ہے میں اس کے احسانات تلے دبا ہوا اس کی بات نہیں ٹال سکتا تھا اس لیے مجبوراً ہامی بھر لی۔ لیکن جب تمہیں دیکھا تو مجھے اپنی قسمت پر رشک آنے لگا اور

رجاء، پر پیار کہ اس نے تمہاری صورت میں مجھے اتنا حسین تحفہ دیا۔''

وہ اصل بات سے پہلے بڑی خوب صورت سے جال بن رہا تھا۔

''یقین کرو' ابا کے انتقال کے بعد میں بالکل ٹوٹ گیا تھا۔ میرے پاس زندہ رہنے کا کوئی بہانا تھا نہ آسرا' اگر رجاء بروقت مجھے سہارا نہ دیتی تو میں اپنی زندگی سے کھیل چکا ہوتا۔'

وہ بظاہر کھوئے ہوئے انداز میں بولے جا رہا تھا جبکہ سارا دھیان اسی کی طرف تھا' جس کے چہرے پر حیرت اور سوچ کی پرچھائیں رقص کر رہی تھیں۔

''وہ اتنے بڑے باپ کی بیٹی ذرا بھی مغرور نہیں ہے۔ میں کسی دن اسپیشل اس کی دعوت کروں گا۔ پھر تم دیکھنا اسے' وہ کتنی اچھی ہے۔ ویسے یہ کچھ عجیب بات نہیں ہے کہ اسنے تمہاری شادی میں اتنا اہم کردار ادا کیا اور تم اسے جانتیں تک نہیں۔''

وہ آخر میں اصل بات سرسری انداز میں کہہ کر براہ راست اسے دیکھنے لگا تھا۔

''ہاں میں نہیں جانتی اس نے یہ سب کیوں کیا۔'' اس نے دکھ سے سوچا پھر بہت سنبھل کر بولی۔

''واقعی میں اسے جانتی تک نہیں۔''

''تمہاری امی جانتی ہوں گی۔ ان سے پوچھنا۔''

''امی وہ کیسے جانتی ہوں گی؟''

''ظاہر ہے انہوں نے تمہارے رشتے کے لیے کسی سے کہا ہوگا۔ بلکہ شاید رجاء ہی سے؟''

''ہائیں! ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ وہ بہت بڑے باپ کی بیٹی ہے۔ تو کیا وہ یہ کام بھی کرتی ہے۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔ تو وہ جھنجلا گیا۔

''کیوں شادی بیان کرانا کوئی معمولی کام ہے۔ تم کرا سکتی ہو کسی کی شادی۔''

''آپ تو ناراض ہو گئے۔ خیر چھوڑیں اس بات کو اور وہ بات بتائیں جس کی وجہ سے آپ پریشان ہیں۔''

''گولی مارو میری پریشانی کو تم جاؤ اپنا کام کرو۔''

وہ اپنے مقصد میں ناکامی پر غصے میں آ گیا تھا اور وہ خود بھی جیسے اس کے پاس سے ہٹنا چاہ رہی تھی جب ہی فوراً اٹھ کر کچن میں آ گئی اور ایک ایک چیز کو اٹھا کر دیکھنے لگی۔ پھر کبھی کیبنٹ کھولتی کبھی دراز اصل میں خود اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا چاہ رہی ہے۔ کتنی دیر بعد اسکے ذہن میں پہلا سوال ابھرا تھا۔

''رجاء نے فراز کی شادی کے لیے میرا انتخاب کیوں کیا؟'' اور اس سوال نے اسے بھی اتنا ہی الجھا دیا تھا جتنا فراز الجھ رہا تھا۔ البتہ فراز اس الجھن میں اپنا مفاد ڈھونڈ رہا تھا۔

بہرحال اس کے لیے یہ انکشاف جتنا حیرت انگیز تھا اسی قدر دکھ دینے والا کہ رجاء نے یہ جاننے کے باوجود کہ اس کی منگنی عاطف علی سے ہو چکی ہے۔ فراز کو اسکے ساتھ شادی کرنے پر کیوں اکسایا اور اسکے بعد اس کے لیے مزید پریشانی کی بات یہ تھی کہ کہیں وہ لڑکی فراز کے سامنے اس باب کو نہ کھول دے جسے اس نے بہت احتیاط سے بند کر دیا تھا یہ اس کی مجبوری تھی۔ جب ہی اول روز جب فراز نے اس سے رجاء کے بارے میں پوچھا تھا تو اسنے صاف انکار کر دیا تھا کہ وہ اس نام کی کسی لڑکی کو نہیں جانتی اور ابھی بھی وہ اپنی اس بات پر قائم تھی۔ لیکن جس طرح فراز بار بار اسے مشکوک نظروں سے دیکھ رہا تھا اس سے واقعی خائف ہو گی تھی جب ہی اس کا سامنا کرنے سے ڈر رہی تھی۔ کتنی دیر کچن میں مصروف رہی پھر وہاں سے سیدھی اپنے کمرے میں آ کر سوتی بن گئی تھی۔

◆

سحر! میری زندگی!

تم نے مجھے خط لکھنے سے منع کیا تھا اس کے باوجود میں ہر روز تمہارے نام خط لکھتا ہوں۔ یہ میری مجبوری ہے کہ تمہیں سارے دن کا احوال لکھے بنا میں سو نہیں سکتا اور کاش کہ میں ان خطوط کو پوسٹ بھی کر سکتا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ اب تو دوری کے دن تمام ہوئے دیار غیر میں یہ میری آخری شب ہے اور آخری خط اور اس آخری خط میں میں تمہیں کیا لکھوں ایک تم سے ملنے کا تصور اتنا خوش کن ہے کہ باقی ساری باتیں بے معنی لگنے لگی ہیں۔ بس میں آ رہا ہوں تمہاری آنکھوں میں سجے حسین خوابوں کی حسین تعبیر لے کر۔

صرف تمہارا عاطف

اس نے خط تہہ کر کے بقیہ خطوط کے ساتھ رکھ دیا۔ پھر سامان پیک کرنے میں لگ گیا۔

اماں اور بیہ کو اس نے اپنے آخری خط میں لکھا تھا کہ وہ اب جلدی واپس آنے والا ہے اور اب جبکہ اس کا جانا کنفرم ہو گیا تھا تو اس نے انہیں اطلاع نہیں دی تھی۔ صرف اماں کا خیال کر کے وہ ایئر پورٹ آنا چاہیں گی اور وہ انہیں اس زحمت سے بچانا چاہتا تھا یعنی اس کا اچانک سرپرائز دینے کا کوئی خیال نہیں تھا۔ پھر بھی اگلے دن جب وہ اپنی سرزمین پر اترا تو گھر پہنچنے تک یہی سوچتا رہا کہ اسے اچانک دیکھ کر اماں کتنی خوش ہوں گی اور بیہ تو پاگل ہی ہو جائے گی پھر جب وہ اسے انوار چچا کے گھر چلنے کو کہے گا تو وہ پہلے اپنا گفٹ مانگے گی اور وہ اس کے لیے کتنی بہت ساری چیزیں لایا تھا۔ ایک تو خود اس نے اتنی لمبی لسٹ بھیجی تھی اس کے علاوہ اس نے اپنی پسند سے بھی بہت کچھ لے لیا تھا۔ بہرحال جس وقت وہ گھر میں داخل ہوا شام ابھی پوری طرح نہیں اتری تھی۔ اماں اپنے معمول کے مطابق عصر کے بعد برآمدے میں تخت پر بیٹھی تسبیح میں مصروف تھیں۔ اس نے دروازے سے داخل ہوتے ہی بے اختیار انہیں پکار لیا۔ پھر ان سے ملنے کے بعد تینوں سوٹ کیس اندر رکھ کر ٹیکسی فارغ کی اس کے بعد بیہ سے مل کر بیٹھا تو کہنے لگا۔

”دیکھا اماں! کتنی جلدی سال گزر گیا' لگ رہا ہے ابھی کل ہی تو گیا تھا۔“

”تمہیں لگ رہا ہوگا۔ ہم نے تو دن گن گن کر گزارے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے تم خیریت سے آ گئے۔“

اماں نے کہا تو وہ ان کے گھٹنے چھو کر بولا۔

”آپ کی دعائیں جو ساتھ تھیں۔“ پھر شرارت سے بیہ کو دیکھا جیسے وہ کہے گی صرف اماں کی دعائیں۔ لیکن وہ خاموش تھی۔ تب قدرے توقف سے پوچھنے لگا۔

”اور اماں انوار چچا خیریت سے ہیں؟“

”ہاں' ان کے ہاں سب خیریت ہے۔“ اماں سے پہلے بیہ بول پڑی اور فوراً موضوع بدل گئی۔ ”چلیں' اب آپ منہ ہاتھ دھو لیں' میں چائے بناتی ہوں۔“

’’ارے منہ کیا دھونا بس تم چائے لاؤ۔‘‘ وہ اماں کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

’’پھر جب بیہ چائے لے کر آئی تو اماں مغرب کی نماز کے لیے اٹھ گئی تھیں اور وہ جیسے اسی انتظار میں تھا۔ چائے لینے کے ساتھ بیہ کا ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھالیا اور بے صبری سے بولا۔

’’سنو! ابھی چلنا ہے انوار چچا کے ہاں۔‘‘

’’جی نہیں، میں تو نہیں جاؤں گی اور آپ کو بھی ضرورت نہیں ہے جانے کی۔‘‘ بیہ نے ناگواری سے کہا تو وہ یہی سمجھا کہ چچی کے رویے کی وجہ سے خفا ہے جب ہی زور دے کر بولا۔

’’ضرورت ہے بیہ! ابھی ہمیں ضرورت ہے۔‘‘

’’وہ ضرورت ختم ہو چکی بھیا! جن کے لیے ہم جاتے تھے وہ وہاں نہیں ہیں۔‘‘

’’کیا مطلب؟‘‘ وہ سمجھا نہیں تھا کہ بیہ نے ایک دم اس کے سر پر بم دے مارا تھا۔

’’شادی ہو گئی ہے سحر آپی کی۔‘‘

کوئی پیسے والا رشتہ آ گیا تھا۔ چچی نے اماں کی ایک نہیں سنی اور بیاہ دیا سحر آپی کو۔ میں نے تو اس روز قسم کھائی تھی کہ آئندہ ان کے ہاں نہیں جاؤں گی۔ آپ بھی مت جایئے گا۔ بھائی! بہت بے عزت کیا تھا چچی نے ہمیں۔‘‘ بیہ بولے جا رہی تھی اور وہ گم صم اسے دیکھے جا رہا تھا۔

اس کی زندگی، اس کی محبت یوں اس سے چھن جائے گی۔ یہ اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا اور بیہ اسے اب بتا رہی تھی، اب جبکہ وہ ملن کے لمحوں کی دستکیں سنتا آیا تھا اور یہاں دوریاں مقدر ہو چکی تھیں۔ تقدیر کی اس ستم ظریفی کا گلہ وہ کس سے کرے۔

’’میرے خدا......‘‘ دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں دبانے لگا تو بیہ پریشان سی ہو گئی۔ حالانکہ اس نے پہلے سے سوچ رکھا تھا کہ وہ فوراً بھائی کو کچھ نہیں بتائے گی لیکن پتا نہیں کیسے اس کی زبان پھسل گئی تھی۔

’’بھائی......!‘‘ بہت ہمت کر کے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اسکے پیچھے آ کھڑی ہوئی اور اس کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہی بے اختیار رو پڑی۔

’’چچی جان نے اچھا نہیں کیا بھیا! صرف ہمارے ساتھ ہی نہیں سحر آپی پر بھی ظلم کیا ہے۔ وہ کبھی خوش نہیں رہیں گی۔‘‘

’’نہیں بیہ! ایسی بات مت کرو۔‘‘ وہ ایکدم بے چین ہو گیا۔ ’’اور یہ تم رو کیوں رہی ہو۔ بے وقوف، چلو ادھر آ کے بیٹھو اور دیکھو اماں کے سامنے کچھ مت کہنا۔‘‘

’’اماں کو جیسے پتا نہیں ہے۔ اتنا دکھ ہوا تھا انہیں۔ اب تک روتی ہیں۔‘‘ وہ آنسو پونچھتی ہوئی اس کے سامنے آ بیٹھی۔

’’کیوں کیوں روتی ہیں۔ ان کے بیٹے کے لیے کمی ہے کیا؟‘‘ اس نے بہت ضبط کر کے کہا۔

’’یہی میں اماں سے کہتی ہوں لیکن۔‘‘

’’اچھا بس خاموش ہو جاؤ۔ اماں آ رہی ہیں۔‘‘ اس نے بیہ کو خاموش کرا دیا اور جب اماں آ کر بیٹھیں تو بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہنے لگا۔

’’ارے اماں! یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ سحر کی شادی ہو گئی۔ چلیں اچھا ہوا۔‘‘

’’اچھا ہوا۔‘‘ اماں حیرت سے دیکھنے لگیں۔

’’اور کیا۔ خوامخواہ میرے گلے پڑی ہوئی تھی۔ خیر چھوڑیں۔ آپ نماز سے فارغ ہو گئیں۔ چلو بیہ! وہ سوٹ کیس گھسیٹ لاؤ اور دیکھو میں تمہارے اور اماں کے لیے کیا کیا لایا ہوں۔‘‘ وہ فوراً موضوع بدل کے اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ اس سے زیادہ وہ ضبط کا مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا۔

’’تم کہاں جا رہے ہو......؟‘‘ اماں کے ٹوکنے پر اس نے پہلے اپنے کمرے کی طرف دیکھا لیکن پھر دوستوں سے ملنے کا کہتا ہوا باہر نکل آیا اصل میں وہ تنہائی چاہتا تھا جہاں وہ اپنی محبت چھن جانے کا ماتم کر سکے اور گھر میں اماں اور بیہ سے وہ چھپ نہیں سکتا تھا۔ بہر حال گھر سے نکل کر کتنی دور تک وہ پیدل چلا تھا اور کچھ ہوش نہیں تھا کہ کس طرف جا رہا ہے۔

رات اتر آئی تھی۔ ہر طرف روشنیوں کا سیلاب تھا۔ اس کے باوجود اس کے اندر کا اندھیرا دور نہیں ہو رہا تھا۔ کاش بیہ اسے اس وقت جب سحر کی شادی ہوئی تھی، اطلاع کر دیتی تو

وہ یوں منزل پر آ کے تو نہ لٹتا۔ سارے ماتم وہیں کر لیتا۔ سارے خواب وہیں جلا دیتا۔

‘‘ہاں' وہ ہمیشہ سے بزدل تھی۔’’ اس کے دل نے گواہی دی۔

‘‘تھی بزدل لیکن اسے یوں ہارنا نہیں چاہیے تھا۔ اگر اسے میری محبت پر بھروسا ہوتا تو وہ کبھی ہتھیار نہ ڈالتی۔ اسے احتجاج کرنا چاہیے تھا اور کر سکتی تھی کیونکہ میں اس کا محض عاشق نہیں تھا۔ منگیتر تھا۔ ہماری محبت ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ سب جانتے تھے پھر اسے کس بات کا ڈر تھا۔ کیوں نہیں لڑی وہ میرے لیے۔’’ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا جانے کیا کچھ سوچے جا رہا تھا۔ کبھی اسے مظلوم سمجھنے لگتا کبھی ظالم اور اسی حساب سے اس کے لیے اس کے جذبات بدل رہے تھے کہ قریب سے گزرتی رکشہ کی تیز آواز نے اس کی سوچوں کو منتشر کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی تیزی سے چلتے ہوئے قدم رک گئے تو کچھ دیر تک وہ حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں آ گیا ہے۔ اس کے گھر کے قریب تو اتنی مصروف شاہراہ نہیں تھی۔ جس کا مطلب تھا' وہ بہت دور آ گیا تھا۔ تب سست روی سے چلتا ہوا وہ رکشہ ٹیکسی کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگا۔ ساتھ ساتھ خود کو سرزنش بھی کر رہا تھا کہ ایک گاڑی ریورس گیئر میں اس کے قریب آن رکی۔ جس کا مطلب تھا۔ اسے دیکھ کر گاڑی واپس موڑی گئی ہے۔ اس کے باوجود وہ متوجہ نہیں ہوا۔ لیکن جب نام سے پکارا گیا تب وہ چونکا لیکن اس کا ذہن کیونکہ منتشر تھا اس لیے رجاء کو دیکھ کر بھی فوری طور پر پہچان نہیں سکا اور اجنبی سے انداز میں بولا۔

‘‘فرمایئے۔’’

رجاء کو اس اجنبیت پر دھچکا سا لگا کہ وہ جس کے انتظار میں دن گن رہی تھی' وہ سرے سے اسے پہچان ہی نہیں رہا۔ بمشکل خود قابو پا کر بولی۔

‘‘اتنی جلدی بھول گئے مسٹر عاطف علی! میں رجاء ہوں۔ رجاء محسن۔’’

‘‘اوہ سوری۔ ویری سوری۔ میں بھولا نہیں۔ اصل میں ......’’ اس سے کوئی بات نہیں بن سکی۔

‘‘آیئے پلیز۔’’ وہ اس کی بات نظر انداز کر کے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔

باقی باتیں راستے میں کر لیں گے۔’’

‘‘تھینک یو۔’’ وہ بنا کسی پس و پیش کے بیٹھ گیا۔

‘‘کب آئے لندن سے؟’’ اس نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

‘‘آج ہی' شام میں۔’’

‘‘ارے۔’’ وہ حیران ہوئی۔ ‘‘یہ آتے ہی آپ سڑکیں ناپنے لگے خیریت ...... کیا گھر والے کہیں گئے ہوئے ہیں؟’’

‘‘نہیں۔’’ وہ خاصا جز بز ہوا اور فوراً بات کا رخ اس کی طرف موڑ دیا۔

‘‘آپ سنائیں۔ محسن صاحب کیسے ہیں۔’’

‘‘بالکل ٹھیک۔ اگر آپ اپنے آنے کی اطلاع دیتے تو میں اور ڈیڈی آپ کو ریسیور کرنے ضرور آتے۔’’

‘‘اسی لیے میں نے اطلاع نہیں دی۔ آئی مین میں سب کو اس زحمت سے بچانا چاہتا تھا۔’’

‘‘ارے زحمت کیسی ......’’ اس نے ایک ریسٹورنٹ کے سامنے گاڑی روک دی۔ ‘‘چلیں سب سے پہلی دعوت میری طرف سے۔’’

‘‘آئی ایم ویری سوری۔ میں اس وقت آپ کے دعوت قبول نہیں کر سکتا کیونکہ گھر میں میری بہن نے میرے لیے پتا نہیں کیا کچھ بنا لیا ہو گا۔’’ اس نے سہولت سے معذرت کرتے ہوئے وجہ بھی بتائی۔ تو وہ برا مانے بغیر بولی۔

‘‘او کے۔ لیکن ہم چائے تو پی سکتے ہیں۔’’

‘‘شیور۔’’ وہ اس کے ساتھ گاڑی سے اتر کے اندر آ گیا۔

‘‘تو آفس کب آ رہے ہیں آپ ......؟’’ رجاء نے ویٹر کو چائے کا کہنے کے بعد پوچھا۔

‘‘ظاہر ہے' صبح ہی آؤں گا۔’’

’’کل صبح......؟‘‘ وہ جیسے خوش ہوگئی تھی۔

’’جی......‘‘

’’ویری گڈ! لیکن ضروری نہیں ہے کہ آپ کل سے کام بھی شروع کردیں۔ آئی مین کچھ دن ریسٹ کرسکتے ہیں۔‘‘

’’ہوں۔‘‘ وہ یونہی ذرا سا سر ہلا سکا کیونکہ اس کا ذہن اچانک اماں اور بیہ کی طرف چلا گیا تھا۔

’’آپ کیا سوچنے لگے؟‘‘ اس نے فوراً ٹوکا تو وہ گہری سانس کھینچتا ہوا بولا۔

’’چلنا چاہیے اماں اور میری بہن بیہ انتظار کررہی ہوں گی۔‘‘

’’صرف وہ یا کوئی اور بھی......؟‘‘ رجاء نے جس انداز سے پوچھا‘ اس سے وہ سمجھ گیا کہ اس کا اشارا کس کی طرف ہے۔ جب ہی قدرے ناگواری سے بولا تھا۔

’’نہیں۔ اور کوئی نہیں۔‘‘

’’کیوں وہ آپ کی......‘‘

’’کزن۔‘‘

وہ فوراً بول پڑا۔ ’’وہ۔ اس کی بات کررہی ہیں ناں آپ‘ تو وہ میرا انتظار نہیں کرسکی۔‘‘

’’کیا مطلب۔‘‘ وہ انجان بن کر سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

’’چھوڑیں مطلب کو۔ چلیں‘ مجھے دیر ہورہی ہے۔‘‘ وہ اس سے اپنا دکھ نہیں کہنا چاہتا تھا۔ اس لیے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور وہ غالباً اسے گھر تک چھوڑنے کے موڈ میں تھی‘ لیکن اس نے وقت کا احساس دلانے کے ساتھ معذرت کرکے اپنے لیے ٹیکسی روک لی تھی۔

اور جب گھر میں داخل ہوا تو اماں کے ساتھ انوار چچا کو بیٹھے دیکھ کر اس کا پھر دماغ گھومنے لگا تھا۔ بڑی مشکل سے خود پر قابو پاسکا۔ وہ بھی اماں کی وجہ سے کیونکہ ان پر وہ یہی ظاہر کرنا چاہتا تھا جیسے اسے کوئی افسوس نہیں۔

’’السلام علیکم چچا جان۔‘‘ اس نے قریب پہنچ کے سلام کیا تو اسے دیکھ کر انوار چچا جھینپے

بھی اور کھڑے بھی ہوگئے۔

’’ارے آؤ بیٹا! ابھی باہر ایک آدمی سے معلوم ہوا کہ تم آئے ہو اور یہ آتے ہی کہاں چلے گئے تھے۔‘‘

انوار چچا اسے گلے لگاتے ہوئے بولے۔

’’بس یونہی ذرا۔ آپ بیٹھیں پلیز۔‘‘ وہ ان کی بات گول کرگیا پھر بیہ کو پکار کر بولا۔

’’بیہ! کھانا تیار ہوگیا ہو تو لگاؤ بھئی۔ بہت بھوک لگ رہی ہے۔‘‘

’’لگا رہی ہوں بھیا......!‘‘ بیہ کا جواب کچن سے آیا تھا۔

’’اور آپ سنائیں چچا جان! چچی جان کیسی ہیں؟‘‘ اس نے اماں کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

’’ٹھیک ہیں وہ بھی اور تم نے سنا ہوگا‘ سحر کی شادی......‘‘ انوار چچا نظریں چراتے ہوئے اس قدر کہہ کر خاموش ہوگئے۔

’’ہاں۔ اماں نے بتایا ہے۔ کہاں کی اس کی شادی؟‘‘ اس نے یوں پوچھا جیسے یہ کوئی اہم بات نہ ہو۔

’’پتا نہیں بیٹا! تمہاری چچی کو کہاں سے رشتہ مل گیا‘ بس آناً فاناً نہ لڑکے کا خاندان دیکھا نہ کچھ......‘‘

’’یہ سب کون دیکھتا ہے چچا جان! آج کل۔ بس پیسہ ہونا چاہیے۔‘‘ اس نے اپنے تئیں طنز کیا تو انواز چچا سمجھ کر دکھ سے بولے۔

’’ٹھیک کہتے ہو تم۔ آج کل پیسہ سارے عیب چھپا دیتا ہے لیکن بیٹا! فراز کوئی بہت پیسے والا نہیں ہے ملازم آدمی ہے۔‘‘

’’اچھا۔‘‘ اسے واقعی تعجب ہوا تھا۔ ’’کیا کرتا ہے؟‘‘

’’اسی فرم میں ہے جہاں تم تھے۔‘‘ انوار چچا نے بتایا تو اس نے فوراً پوچھا۔

’’کیا نام بتایا ہے آپ نے......؟‘‘

''فراز ۔فراز ہمدانی ۔ پروکیورمنٹ ڈیپارٹمنٹ میں مینجر ہے ۔''

''پروکیورمنٹ ۔فراز ہمدانی ۔''اس نے ذہن پر زور دینے کے بعد کہا''نہیں چچا جان میں نہیں جانتا۔ بہر حال جاب تو اچھی ہے اور چچی جان نے کچھ اچھا دیکھ کر ہی کیا ہوگا۔''

''ہوں......''انواز چچا نے ہوں کی صورت گہری سانس کھینچی' تب ہی بیہ آ گئی ۔

''چلیں بھئی' میں نے اندر کھانا لگا دیا ہے ۔''

بیٹا! میں تو کھانا کھا کر آیا ہوں اور مجھے اب اجازت دو ۔''

''ارے نہیں چچا جان! کچھ ہمارا ساتھ بھی دیں ۔''وہ زبردستی انہیں اٹھا کر دستر خوان پر لایا تھا۔

* * *

اس نے ڈیڈی کے ساتھ آفس آتے ہوئے رستے میں انہیں بتایا تھا کہ عاطف علی لندن سے آچکا ہے اور اس کی طرح ڈیڈی کو بھی تعجب ہوا کہ اس نے آنے کی اطلاع کیوں نہیں دی۔ اس کے بعد آفس میں وہ اس کا بہت دیر تک انتظار کرتے رہے پھر گیارہ بجے کے قریب دوسری برانچ میں جاتے ہوئے وہ اس سے کہہ گئے تھے کہ عاطف علی آئے تو وہ اسے لے کر نئے آفس میں آجائے اور وہ بارہ بجے کے بعد آیا تھا جب وہ اس کی طرف مایوس ہو چکی تھی۔

''سوری بس! آتے ہی روٹین ڈسٹرب ہوگئی۔''

عاطف علی نے چھوٹتے ہی معذرت کی ۔تو وہ دل ہی دل میں اس کی مزید نکھر آنے والی پرسنیلٹی کو سراہتی ہوئی بولی۔

''ظاہر ہے رات دیر سے سوئے ہوں گے' اس لیے اٹھے بھی دیر سے ہوں گے ۔''یہی بات ہے وہ فوراً بولا ۔''اصل میں میری بہن پورے سال بھر کے واقعات سننے بیٹھ گئی تھی اور اسی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

میں صبح ہوگئی۔ اگر اماں نہ اٹھاتیں تو...... سوری میں کچھ زیادہ اور شاید فضول بول رہا ہوں۔“

”نہیں۔“ وہ ذرا سا مسکرائی پھر اٹھتی ہوئی بولی۔

”چلیں ڈیڈی نے کہا تھا کہا آپ کو لے کر ان کے پاس پہنچ جاؤ۔“

”اوئیس‘ میں آپ سے یہی پوچھنے والا تھا کہ محسن صاحب کہاں ہیں۔“

”نیو برانچ جسے اب آپ ہیڈ آفس کہہ سکتے ہیں۔ تمام ڈیلنگز اینڈ میٹنگز وہیں ہوں گی اور میں نے آپ کو غالباً آپ کے لندن جانے سے پہلے ہی بتایا تھا کہ ڈیڈی آپ کو پروموٹ کر کے وہاں......؟“

”جی جی‘ مجھے یاد ہے۔“ وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا۔

”چلیں پھر......!“

”ایک منٹ اگر آپ اجازت دیں تو میں فاروقی صاحب سے مل آؤں اور ہاں وہ کیا نام ہے اس کا فراز۔ فراز ہمدانی وہ کہاں ہوتا ہے۔“ اس نے جیسے اچانک یاد آنے پر فراز کا پوچھا تھا اور وہ اپنی جگہ نہ صرف ٹھٹکی بلکہ پریشان بھی ہوگئی تھی۔

”فراز کیوں؟ آئی مین اس سے کیا کام ہے آپ کو......؟“

”کام تو کوئی نہیں بس۔ چلیں چھوڑیں پھر ملاقات ہو جائے گی‘ آیئے چلتے ہیں۔ محسن صاحب انتظار کر رہے ہوں گے۔“

”ہاں......“ وہ جتنا اس کے ساتھ چلنے سے خوش تھی اب اسی قدر پریشان ہوگئی تھی اور ذہن مسلسل اسی بات میں الجھ گیا تھا کہ آخر اس نے فراز کا کیوں پوچھا۔ اس کے ساتھ بہت ساری باتیں تھیں جنہیں وہ کم از کم اس وقت نہیں سوچنا چاہتی تھی۔ لیکن اس کا دھیان ادھر ادھر ہو کے نہیں دیا۔ تمام راستہ وہ پتا نہیں کیا کیا بولتا رہا۔ وہ بس ہوں ہاں میں سر ہلاتی رہی اور پھر اسے ڈیڈی کے پاس چھوڑ کر بمشکل پانچ منٹ وہاں رکی اس کے بعد سر درد کا بہانا کر کے گھر چلی آئی۔

اسے اب اپنی حماقت پر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے فراز کو اپنے ہی ہاں کیوں اپائنٹ کیا۔

کہیں اور کیوں نہیں بھیج دیا تھا۔ نہ اس نے اس نہج پر سوچا تھا کہ ایک ہی آفس میں عاطف علی کی اس سے ملاقات ہو سکتی ہے اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کسی دن فراز اپنے کسی موڈ میں عاطف علی سے یہ کہہ دے کہ وہ اس کی دوست ہی نہیں محسن بھی ہے جس نے اسے جاب دینے کے ساتھ اس کا گھر بھی بسا دیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان ساری باتوں کا اسے پہلے خیال بھی نہیں آیا تھا۔ کیونکہ وہ کوئی سازشی ذہن کی لڑکی نہیں تھی جو باقاعدہ ہر پہلو سے سوچ کر پلان کرتی۔ اس نے عاطف علی کو دیکھا۔ پہلی نظر میں اس کی اسیر ہوئی اور سمجھ لیا کہ وہ اس کا ہے اور پھر اسے اپنا کرنے کے لیے اس نے راستے میں سحر کو دیکھا تو اسے یہی خیال آیا کہ اگر اس لڑکی کی شادی ہو جائے تو وہ اس کا ہو سکتا ہے اور یقیناً قسمت اسی کا ساتھ دے رہی تھی جو فراز نے اس کی بات مان کر سحر سے شادی کر لی۔ ورنہ وہ منع بھی کر سکتا تھا۔ بہرحال وہ اس کی شادی ہو جانے پر ہی مطمئن ہوگئی تھی اس کے بعد اس تمام عرصے میں ایک بار بھی اس صورت حال کی طرف اس کا دھیان نہیں گیا جس نے اب اسے چکرا کر رکھ دیا تھا۔

شام تک وہ اپنے کمرے میں بند ہو کر سوچتی رہی آخر اس نتیجے پر پہنچی کہ اسے فراز پر اعتماد کر کے اسے ساری بات بتا دینی چاہیے تاکہ وہ عاطف علی کے سامنے کوئی ایسی بات نہ کرے اور پھر اسی وقت وہ تیار ہو کر کمرے سے نکلی تو لاؤنج میں موجود ڈیڈی نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

”اب کیسی طبیعت ہے بیٹا؟“

”ٹھیک ہوں ڈیڈی! آپ آفس سے کب آئے؟“ اس نے یونہی پوچھ لیا۔

”ابھی آ رہا ہوں اور آپ کہیں جا رہی ہو کیا؟“ ڈیڈی نے اسے تیار دیکھ کر کہا۔

”جی ڈیڈی۔ وہ زارا...... زارا کے پاس۔“ اس نے مصلحتاً جھوٹ بولا کیونکہ فراز کے نام پر ہی ڈیڈی کو اپارٹمنٹ خالی کرنا یاد آ جاتا تھا۔ جسے وہ مقررہ مدت گزرنے کے بعد بھی اب تک فراز سے خالی نہیں کرا سکی تھی۔

''اچھی بات ہے' جلدی آ جانا ورنہ آپ کی ممی پریشان ہو جاتی ہیں۔''

''جی......'' وہ قصداً ذرا سا مسکرائی پھر پہلے لابی میں آ کر فراز کے نمبر ڈائل کیے تو اتفاق سے دوسری طرف وہی تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی وہ جلدی سے بولی۔

''فراز! میں ابھی اور اسی وقت تم سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''خیریت......''

''ہاں بس خیریت ہے۔ تم ایسا کرو' گھر سے نکل کر ساحل کی طرف آؤ۔ میں وہیں پہنچ رہی ہوں۔'' اس نے عجلت میں کہہ کر ریسور رکھ دیا اور پھر اسی تیزی سے باہر نکل آئی۔

ساحل تک پہنچنے میں اسے بیس منٹ لگے اور کیونکہ فراز کا گھر وہاں سے قریب تھا' اس لیے وہ اس کے انتظار میں ٹہل رہا تھا۔

اس نے گاڑی فراز کے قریب جا کر روکی اور اترنے کے بجائے اس کی طرف کا دروازہ کھول دیا تو وہ بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''کیا کہیں اور جانا ہے؟''

''نہیں۔ ہم یہیں بات کریں گے۔'' اس نے کہا تو فراز اپنے طور پر سمجھ کر بولا۔

''یارا! تمہیں اپارٹمنٹ خالی کرانا ہے ناں تو میں......''

''نہیں'' وہ ٹوک کر بولی۔ میں اس وقت اپارٹمنٹ کی بات کرنے نہیں آئی۔''

''پھر......؟'' وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا تو کچھ دیر کے لیے وہ خاموش ہو گئی غالباً سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ بات کیسے شروع کرے اور فراز کو الجھن ہونے لگی۔

''بولو ناں' کیا بات ہے۔''

''پہلے یہ بتاؤ۔ میں تم پر کتنا اعتماد کر سکتی ہوں۔'' وہ دونوں بازو اسٹیئرنگ پر جما کر اسے دیکھنے لگی۔

''اپنے آپ سے پوچھو۔'' فراز نے کندھے اچکائے۔

''بہر حال میں تم پر اعتماد کر کے ہی تمہارے پاس آئی ہوں اور جو بات میں کہنے جا رہی

ہوں' اسے غور سے سنو ضرور لیکن سننے کے بعد بھول جاؤ اور بات یہ ہے کہ میں جس شخص کو پسند کرتی ہوں اس کا نام عاطف علی ہے اور وہ کل ہی لندن سے آیا ہے۔ کل سے وہ ہیڈ آفس میں ہو گا اور یقیناً تمہاری اس سے ملاقات ہو گی بلکہ رہے گی' ہے ناں۔'' اس نے روانی سے بات شروع کر کے اسے دیکھا تو وہ کندھے اچکا کر بولا۔

''ظاہر ہے جب ایک ہی آفس میں ہوں گے تو ملاقات ہو گی بلکہ رہے گی۔''

''ہاں لیکن تم اس کے سامنے کبھی بھولے سے بھی اس بات کا ذکر مت کرنا کہ تمہیں جاب میں نے دی اور''...... وہ رک گئی لیکن وہ سمجھ گیا تھا کہ آگے وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔ جب ہی کچھ معنی خیز انداز میں ہنس کر بولا۔

''میری شادی بھی تم نے کرائی ہے لیکن کیوں؟ میرا مطلب ہے یہ تو نیکی کا کام ہے اور تم اپنی اس نیکی کو چھپانا کیوں چاہتی ہو۔''

''اس کی وجہ کچھ بھی ہو۔ تم اس سے غرض مت رکھو۔ بس جو میں نے کہا ہے' اس پر عمل کرنا' کرو گے ناں؟'' آخر میں اس نے مان سے دیکھا تو وہ گہری سانس کھینچتے ہوئے بولا۔

''کرنا پڑے گا' آخر تم میری محسن تو ہو ہی ساتھ ''محسن کی بیٹی بھی ہو۔''

''نہیں ایسا مت کہو۔ میں تمہیں دوست سمجھ کر آئی ہوں اور تم بھی مجھے صرف دوست سمجھو۔'' اس نے کہا تو وہ خاصی مشکوک نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

''اوں ہوں۔ تم مجھے صرف دوست نہیں سمجھ رہیں' جب ہی تو اصل بات چھپا رہی ہو۔ خیر میں اصرار بھی نہیں کرتا۔ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ بہر حال میری طرف سے اطمینان رکھو۔ میں عاطف علی کیا اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہونے دوں گا کہ تم نے میرے ساتھ کوئی نیکی کی ہے۔''

''تھینک یو۔'' وہ قصداً مسکرائی تھی۔

''یور ویلکم۔ اور کوئی بات۔''

''نہیں۔''

''او کے' مجھے اجازت۔'' وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر گیا۔ تو اس نے فوراً گاڑی اسٹرٹ نہیں کی۔ بلکہ اس کے پیچھے دیکھنے لگی تھی۔

جب وہ اپنی بائیک اس کے قریب سے نکال لے گیا تب اس نے سینے میں رکی سانس ہونٹوں کی قید سے آزاد کی پھر وہ ٹھاٹھیں مارتے سمندر کو دیکھ کر رہ نہیں سکی اور گاڑی لاک کر کے اتر آئی تھی۔

اس کا دل لہروں کا تعاقب کرنے کو مچلنے لگا تھا لیکن اکیلی ہونے کے باعث اس کی ہمت نہیں ہوئی اور یونہی اکیلی کنارے کنارے چلتی ہوئی سی ویو تک آئی تو آگے عاطف علی کو بیٹھے دیکھ کر اس کا دل یکبارگی بڑی زور سے دھڑکا کہ کہیں اس نے اسے فراز کے ساتھ دیکھ تو نہیں لیا لیکن دوسرے لمحے وہ سنبھل گئی کیونکہ وہ اپنے آپ سے بھی بیگانہ لگ رہا تھا۔ نظریں اوپر اٹھتی لہروں پر جمائے جانے کس سوچ میں تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے قریب آ کر بولی۔

''ہیلو......''

عاطف علی نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''سوری' میں نے شاید آپ کو ڈسٹرب کیا۔'' وہ قدرے خائف ہو کر بولی۔

وہ ابھی بھی خاموش تھا۔ شاید اسے اکیلے دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ پھر اس کے عقب میں ادھر ادھر نظریں دوڑا کر پوچھنے لگا۔

''آپ کس کے ساتھ ہیں۔''

''کسی کے ساتھ نہیں' البتہ آپ کے ساتھ کچھ دیر بیٹھ سکتی ہوں اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو......''

''پلیز۔'' اس نے بیٹھنے کا اشارا کیا پھر قدرے رک کر بولا۔ ''آپ کو اکیلے اتنی دور نہیں آنا چاہیے۔''

''آئندہ نہیں آؤں گی۔'' وہ فوراً بولی تو وہ کچھ حیران ہو کر دیکھنے لگا۔

''کیا کچھ غلط کہہ دیا میں نے۔'' وہ اس کی حیرت سمجھ نہیں پائی تھی۔

''نہیں۔''

''پھر اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں؟''

''آپ نے میری بات مان لی۔ اس کے لیے شکریہ۔'' اس نے کہا تو اس بار وہ کچھ حیران ہوئی۔

''کون سی بات......؟''

''یہی کہ آئندہ یہاں اکیلی نہیں آئیں گی۔'' وہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ تو قصداً سر جھکا کر انتظار کرنے لگی کہ وہ ساتھ چلنے کو کہے گا تب ہی اٹھے گی اور وہ کچھ بے خیالی میں چند قدم آگے بڑھ گیا پھر احساس ہونے پر پلٹ کر دیکھا اور واپس اس کے پاس آ کر بولا۔

''آپ چلیں گی نہیں۔''

''ہیں......'' وہ گو کہ انتظار میں تھی پھر بھی چونک کر دیکھنے لگی۔

''آیئے' میں آپ کے ساتھ چل رہا ہوں۔'' اس نے کہا تو وہ بظاہر انجان اس کے ساتھ چل پڑی۔ پھر گاڑی کا لاک کھول کر چابی اسے تھما دی اور خود دوسری طرف سے آ کر بیٹھ گئی۔

''سوری' مجھے آپ کا گھر نہیں معلوم۔'' عاطف علی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر کہا تو وہ ہنستی ہوئی بولی۔

''مجھے معلوم ہے۔''

''اچھا'' وہ بے ساختہ ذرا سا مسکرایا پھر گاڑی اسٹارٹ کر کے سیدھی شفاف سڑک پر ڈال دی تو کچھ دیر بعد وہ اسے مخاطب کر کے بولی۔

''عاطف علی! ایک بات پوچھوں......؟''

''ہوں......'' اس نے سامنے سے توجہ ہٹائے بغیر ہوں کی آواز نکالی تھی۔

''آپ لندن جا کر پچھتا رہے ہیں یا واپس آ کر۔''

اس نے کہا تو وہ سمجھا نہیں۔

"کیا مطلب......؟"

"جب آپ جا رہے تھے' تب تو بہت خوش تھے لیکن اب ......" اس نے قصداً بات ادھوری چھوڑ دی تو وہ گہری سانس کے ساتھ بولا۔

"اب بھی خوش ہوں۔ آئی مین واپس آ کر۔"

"اچھا" اس نے بے یقینی ظاہر کی۔ "بہر حال آپ بہت چینج ہو گئے ہیں۔"

"مثلاً کیا تبدیلی محسوس کر رہی ہیں آپ کو مجھ میں۔؟"

"پہلے جتنے پر جوش تھے اب اتنے ہی مایوس اور دل گرفتہ۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ کس بات نے آپ کو مایوس کیا ہے۔ بظاہر سیدھے سادھے انداز میں بول رہی تھی اور اس کے خاموش رہنے پر کہنے لگی۔

"آئی ایم سوری۔ مجھے شاید نہیں پوچھنا چاہیے۔

آپ نے مائنڈ کیا سوری اگین۔"

"نو' نو سوری میں نے بالکل مائنڈ نہین کیا۔ خود میں نے ہی تو پوچھا ہے کہ آپ نے مجھ میں کیا تبدیلی محسوس کر رہی ہیں اور ظاہر ہے آپ نے اس کا جواب دیا ہے اور بالکل ٹھیک جس پر مجھے حیرت ہو رہی ہے۔"

"حیرت کو یوں؟" اس نے ہاتھ سے بائیں سمت مڑنے کا اشارا کرتے ہوئے پوچھا۔

"اس کا جواب پھر کبھی۔ ابھی تو آپ مجھے راستہ بتاتی جائیں۔" اس نے موڑ کاٹتے ہوئے کہا کیونکہ آگے بنگلوں کی لائن شروع ہو گئی تھی۔

"اب کیا راستہ بتاؤں ب یہ وائٹ گیٹ پر روک دیں۔" وہ گاڑی روک کر اسے دیکھتا ہوا بولا۔

"آپ کا گھر آ گیا' اب مجھے اجازت دیجیے۔"

"کوئی اجازت نہیں' اندر چلیں اور پلیز ڈیڈی کے سامنے ساحل کا ذکر نہیں کیجیے گا' بس ہم راستے میں ملے تھے۔" وہ کہتی ہوئی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتری اور پھر اسے بہت

اصرار سے اندر لے آئی تھی۔

"اخاہ عاطف علی! کیسے آئے؟" ڈیڈی نے اسے دیکھ کر خوشی کے اظہار کے ساتھ پوچھا تو وہ کچھ نروس ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"میر ساتھ آئے ہیں ڈیڈی......" وہ فوراً بول پڑی۔

"آپ کے ساتھ۔ آپ تو غالباً زارا کی طرف گئی تھی۔"

"جی ڈیڈی! یہاں سے نکلی تو زارا کے ہاں جانے کا سوچ کر تھی' لیکن پھر راستے مین عاطف علی مل گئے۔ پلیز عاطف! آپ بیٹھیں نا۔" وہ ڈیڈی کو جواب دے کر اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

"ہاں عاطف! آؤ بیٹھو۔" ڈیڈی نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا تو وہ ممی کو بلانے ان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

◆

وہ رجاء کا ممنون تھا جو اسے سحر کے غم میں ٹوٹنے نہیں دے رہی تھی۔ پتا نہیں کیسے وہ جب بہت اداس اور دل گرفتہ سا ہوتا وہ عین اسی وقت آن موجود ہوتی۔ شروع میں وہ اس کی آمد پر خاصا جز بز ہوتا اور دامن بچانے کی کوشش بھی کرتا تھا لیکن پھر دھیرے دھیرے وہ نہ صرف اس کا عادی ہو گیا بلکہ انتظار بھی کرنے لگا تھا۔ اگر کسی دن وہ نہ آتی تو اسے بہت خالی پن کا احساس ہوتا اور گھر آنے تک یوں لگتا جیسے بہت اہم کام رہ گیا ہو۔ ادھر دو دن سے وہ نہیں آ رہی تھی اور اس وقت وہ بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ پانچ بجنے والے تھے۔ آخر مایوس ہو کر وہ آفس سے نکلا تو خود کو سرزنش بھی کرنے لگا تھا کہ وہ کیوں اس کے بارے میں سوچنے لگا ہے۔ وہ کوئی عام سی لڑکی تو نہیں ہے۔ اس کے باس کی بیٹی۔ جس کے سامنے اس کی حیثیت کچھ بھی نہیں اور اگر وہ اس کے ساتھ دوستانہ انداز میں بات کر لیتی ہے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ وہ اپنی حیثیت ہی بھول جائے۔

”اس کی مرضی آئے نہ آئے۔ میں اسے آنے پر مجبور تو نہیں کر سکتا۔“ اس نے اس کا خیال جھٹکنے کی خاطر اس انداز سے سوچا پھر اسپیڈ سے بائیک بھگانے لگا اور جب رکا تو سامنے اس کا گیٹ دیکھ تو حیران رہ گیا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس کے گھر تک کیسے آ گیا ہے اور اب اسے اندر جانا چاہیے یا نہیں۔ کچھ دیر شش و پنج میں رہا۔ پھر سوچا جب آ ہی گیا ہوں تو خیریت ہی معلوم کر لوں کہ وہ دو دن سے کیوں نہیں آ رہی۔

اس نے بائیک لاک کی پھر بیل کا بٹن پش کرنے جا رہا تھا کہ محسن صاحب کی گاڑی دیکھ کر رک گیا۔ کچھ عجیب سا ہی محسوس کرنے لگا تھا کہ پتا نہیں وہ اسے دیکھ کر کیا سوچیں اور اگر انہوں نے اس کی آمد کا مقصد پوچھ لیا تو بلکہ ضرور پوچھیں گے اور واقعی انہوں نے اسے دیکھ کر پہلی بات یہی کی۔

”یہاں کیسے آنا ہوا۔“

”ادھر سے گزر رہا تھا...... سوچا مس رجاء سے مل لوں۔ دو دن سے آفس نہیں آ رہیں۔ خیریت، طبیعت تو ٹھیک ہے ان کی۔“ وہ بہت سنبھل کر اور بڑے اعتماد سے بول گیا تھا۔

''ہاں بس موڈی لڑکی ہے' آؤ اندر چلو۔'' محسن صاحب کو اس کے آنے سے جو خوشی ہو رہی تھی اسے وہ ظاہر نہیں کر رہے تھے' اور ان کے برعکس رجاء کسی طرح چھپا نہیں سکی' اس کا بے ساختہ اظہار تھا۔

''ارے عاطف علی! آپ کیسے آئے؟''

''یہ تمہاری خیریت معلوم کرنے آئے ہیں۔'' اس کے بجائے ڈیڈی نے کہا۔

''میری خیریت؟''

''آپ آفس نہیں آ رہیں تو مجھے خیال آیا' شاید طبیعت وغیرہ خراب ہو گی۔'' اس نے کہا تو وہ ہنستی ہوئی بولی۔

''ڈیڈی نے آپ کو بتایا نہیں کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

''ان سے میری ملاقات ابھی ہوئی ہے۔''

''بیٹا! یہ باتیں بیٹھ کر بھی ہو سکتی ہیں' اور اگر بیٹھنے سے پہلے چائے کا کہہ دو تو اور بھی اچھی بات ہے۔'' ڈیڈی نے عاطف کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے اسے ٹوکا تو وہ سوری کہتی ہوئی

بھاگ گئی۔

''ہاں مسٹر عاطف علی! ہماری نئی پروڈکٹ کا کیسا رزلٹ آ رہا ہے۔''

ڈیڈی نے اسے مخاطب کر کے پوچھا تو وہ اب تک اس کے پیچھے دیکھ رہا تھا فوراً ان کے سامنے بیٹھتا ہوا بولا۔

'اچھا رزلٹ ہے' اور میرا خیال ہے' ایک دو مہینے میں ہم اسے ایکسپورٹ بھی کر سکیں گے۔''

''ویری گڈ!''

''اس کے علاوہ سر! میرے ذہن میں ایک اور آئیڈیا بھی ہے اگر آپ انڑسٹڈ ہوں تو'' رجاء کے آنے سے اسکی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اس نے آتے ہی ٹوک دیا تھا۔

''پلیز ڈیڈی! بزنس کی باتیں آفس میں' گھر میں گھر کی باتیں ہونی چاہئیں۔''

''ہاں گھر سے یاد آیا۔'' ڈیڈی اسے دیکھتے ہوئے بولے۔'' عاطف تم یہاں ڈیفنس میں شفٹ ہو جاؤ۔''

''جی!'' وہ حیران ہوا۔

''تم میری فرم کے مینجنگ ڈائریکٹر ہو اور تمہارا ابھی اسٹینڈرڈ ہونا چاہیے۔'' انہوں نے کہا تو وہ قدرے جھجک کر بولا۔

''یس سر! میں کوشش کروں گا۔''

''کس بات کی؟''

''گھر کی'' یہاں کوئی گھر کرائے پر لے سکوں۔''

''کرائے پر نہیں برخوردار! تمہیں فرم کی طرف سے رہائش اور کنوینس مل رہی ہے۔ میں صبح فاروقی صاحب کو تمہارے پاس بھیجوں گا۔ وہ تمہیں بنگلہ دکھا دیں گے۔ اوکے۔''

ڈیڈی کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی کہ وہ اس کی اس آفر سے خوش ہوا ہے کہ نہیں اور رجاء سے مخاطب ہو گئے۔

''بیٹا! آپ کی می کہاں ہیں۔''

''وہ ابھی کچھ دیر پہلے آپی آئی تھیں' ان کے ساتھ گئی ہیں۔''

“اوکے آپ اپنے مہمان کو اٹینڈ کرو اور ہاں مجھے چائے میرے کمرے میں بھجوا دینا...... اوکے سی یو عاطف علی......”

وہ آخر میں اس پر نظر ڈال کر اپنے کمرے میں چلے گئے تو وہ جوان کی وجہ سے کچھ تکلف سے اور مؤدب بنا بیٹھا تھا۔ ریلیکس ہو کر بیک سے ٹیک لگا کر اسے دیکھتا ہوا بولا۔

“تو آج کل آرام کے موڈ میں ہیں آپ۔”

“ارے نہیں۔ اصل میں میری دوست کی شادی ہے اور وہ اپنی شاپنگ میرے بغیر کر ہی نہیں سکتی۔ اس لیے میں آفس نہیں جا رہی۔ ویسے آپ کے آنے سے بھی کافی ریلیکس ہو گئی ہوں۔” وہ روانی سے بول رہی تھی، ساتھ ٹرالی اپنی طرف کھینچ کر چائے بھی بنانے لگی تھی۔

“میرے آنے سے؟” اس نے فوراً پوچھا۔

“ہوں۔ ڈیڈی کا آدھے سے زیادہ کام تو آپ نے سنبھال لیا ہے اور میرا خیال ہے، اب آفس میں میری ضرورت بھی نہیں رہی۔ ایکسکیوزمی۔ میں ڈیڈی کو چائے دے آؤں۔” وہ بات کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور معذرت کر کے ایک کپ اٹھا کر چلی گئی۔ تو وہ گہری سانس کھینچ کر بڑبڑایا۔

“اچھی لڑکی ہے۔”

“پھر چائے پینے تک ہی بیٹھا اور اس دوران ادھر ادھر کی باتوں کے ساتھ پہلی بار وہ پورے دھیان سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کتنا سحر تھا اس کی ذات میں، اس کی باتوں میں، اس کی ہنسی میں۔ جس کی جلترنگ گھر آنے تک اس سماعتوں میں گھنٹیاں بجا رہی تھی۔

“لیجیے آ گئے بھیا! ان سے پوچھ لیں۔” بیہ نے اسے دیکھتے ہی جس طرح جلے ہوئے انداز میں اماں سے کہا اس سے وہ یہی سمجھا کہ اس سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ جب ہی ٹھٹک کر بولا۔

“کیا۔ کیا پوچھ لیں۔؟”

“اماں انوار چچا کے گھر جانا چاہ رہی ہیں چچی جان کو دیکھنے، بے چاری بیمار ہیں۔” بیہ کے لہجے میں ناگواری اور طنز بھی تھا۔

“تمہیں کیسے پتا کہ چچی جان بیمار ہیں۔” اس نے اماں کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

“صبح انوار چچا آئے تھے، وہ بتا گئے ہیں اور اسی وقت سے اماں نے جانے جانے کی رٹ لگا رکھی ہیں۔”

“کیوں اماں! وہ تو آپ کی بیماری میں کبھی نہیں آئیں اور جب میں یہاں نہیں تھا تو میرے پیچھے کتنی مرتبہ آ کر انہوں نے آپ کی خیریت معلوم کی۔” وہ اماں کو جانے کیا کیا یاد دلانا چاہتا تھا کہ وہ بول پڑیں۔

“تمہارے چچا تو آتے تھے اور ابھی بھی آتے ہیں۔”

“ٹھیک ہے لیکن......” وہ کچھ لاجواب سا ہو کر اسی قدر کہہ سکا۔

“کوئی لیکن ویکن نہیں۔ چلو اٹھو، میں تمہارے ہی ساتھ جاؤں گی، سحر کی شادی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہماری رشتہ داری ہی ختم ہو گئی۔” اماں اٹھتی ہوئی بولیں۔ “بیہ! میری چادر لاؤ۔”

“اماں! ابھی تو میں آیا ہوں۔”

“ہاں تو کوئی بہت دور نہیں جانا۔ چلو اٹھو بیہ! تم بھی چلو۔” اماں نے اس کا عذر سنا نہ بیہ کے بڑبڑانے کو اہمیت دی تو وہ جیسے بادل نخواستہ اٹھا تھا۔

انوار چچا کے لیے ان کی آمد بالکل غیر متوقع تھی۔ کتنی دیر تک تک انہیں یقین ہی نہیں ایا کہ وہ ان کی بیگم کی عیادت کو آئے ہیں۔ گو کہ یہ کوئی انہونی بات نہیں تھی لیکن جو سلوک ان کی بیگم نے ان کے ساتھ کیا تھا، اس کے بعد ان کا آنا واقعی بڑی بات تھی اور وہ بے چارے خوش بھی بہت ہوئے، سیدھا انہیں اس کمرے میں لے گئے جہاں بیگم بیمار لیٹی تھیں اور ایسے ہی خوش ہو کر انہیں مطلع کیا۔

“دیکھو، بھابھی آئی ہیں عاطف کے ساتھ۔”

“کون بھابھی؟” انہوں نے آنکھیں کھولیں پھر اماں کو دیکھ کر بولیں۔

“اچھا آپ ہیں۔”

“السلام علیکم چچی جان!” اس نے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر پوچھا۔ “کیسی طبیعت ہے آپ کی؟۔”

“ہاں بس۔” انہوں نے اٹھ کر بیٹھنے میں کافی دیر لگائی پھر اماں سے بولیں۔ “بیٹھیں آپ،

کھڑی کیوں ہیں۔ تم دونوں بھی بیٹھو۔‘‘

’’جی۔‘‘ وہ بیہ کو لے کر دیوار کے ساتھ رکھی کرسیوں پر جا بیٹھا جبکہ اماں ان کے قریب ہی بیٹھ گئی تھیں۔

’’ڈاکٹر کو دکھایا؟‘‘ اماں نے سیدھے سادے انداز میں پوچھا۔

’’ہاں۔ ایک دن گئی تھی ان کے ساتھ پھر ہمت نہیں ہوئی۔ یہ خود ہی دوا لے آتے ہیں۔‘‘

’’کھانے وغیرہ کی تکلیف ہوتی ہوگی۔ سحر کو بلا لیں کچھ دنوں کے لیے۔‘‘ اماں نے پھر ہمدردی جتا کر کہا تو وہ برا مان گئیں۔

’’وہ اپنا گھر چھوڑ کر کاہے کو آئے گی' کوئی قریب تھوڑی بیٹھی ہے۔‘‘

’’ہاں' اس کا گھر بھی تو اتنی دور ہے۔ خوش تو ہے ناں اپنے گھر میں۔‘‘ اماں کے لہجے میں سحر کے لیے محبت اُمڈ آئی تھی۔

’’خوش کیوں نہ ہوگی۔ اتنا اچھا گھر ملا ہے اور سسرال کا کوئی جھنجھٹ بھی نہیں ہے۔ دونوں میاں بیوی مزے میں ہیں۔‘‘

انہوں نے بولتے ہوئے آخر میں جس طرح اسے دیکھا' وہ اپنی جگہ کٹ کر رہ گیا۔ دل چاہا کہہ دے اس کا میاں میرے ماتحت کام کرتا ہے لیکن وہ اتنے ہلکے پن کا مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا۔

’’اللہ اور خوشیاں دے۔ بہت نیک بچی ہے۔‘‘ اماں بڑے خلوص سے دعائیں دینے لگی تھیں۔

’’چلیں بھیا!‘‘ بیہ اسے کہنی مار کر سرگوشی میں بولی تو وہ جانے کس خیال میں تھا' چونکنے کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

’’کیا ہوا میاں بیٹھو۔ میں چائے لا رہا ہوں۔‘‘ انوار چچا نے اسے اٹھتے دیکھ کر کہا تو بیہ حیرت سے بولی۔

’’چائے۔ آپ چائے بنائیں گے چچا جان؟‘‘

’’کوئی مشکل کام تھوڑی ہے' بس ابھی بن جائے گی۔‘‘ انوار چچا کہہ کر جانے لگے کہ وہ

فوراً بول پڑا۔

’’نہیں چچا جان پلیز۔ اس وقت آپ کوئی تکلیف نہ کریں۔ میں پھر کسی دن فرصت سے اماں کو لے آؤں گا۔‘‘

’’تو یہ کون سا کام کا وقت ہے۔ گھر ہی جانا ہے ناں۔‘‘

’’جی۔ گھر ہی جانا ہے اور نئے گھر جانے کی تیاری کرنی ہے۔‘‘ اس نے کہا اور پھر فوراً اماں سے مخاطب ہوگیا۔ ’’اماں! مجھے اپنی فرم کی طرف سے ڈیفنس میں بنگلہ مل رہا ہے۔ ایک دو دن میں ہمیں وہاں شفٹ ہونا ہے۔ آپ چل کر جو ضروری سامان لے جانے کا ہو بتا دیں۔ میں اور بیہ ابھی پیک کر دیں گے۔‘‘

’’سچ بھیا......!‘‘ بیہ نے خوش ہو کر اس کا بازو ہلایا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر پھر اماں سے بولا۔

’’چلیں اماں! بہت کام ہیں۔‘‘

’’اچھا بھابھی! میں آؤں گی پھر۔‘‘ اماں چادر سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئیں اور وہ انوار چچا کو نئے گھر کے بارے میں بتاتا ہوا باہر نکل آیا تھا۔

گھر آ کر بیہ نے بنگلے کی خوشی میں باقاعدہ چلانا شروع کر دیا تھا جبکہ اماں بالکل خاموش تھیں۔ اس نے کچھ دیر بیہ کا ساتھ دیا پھر اماں کے پاس آ بیٹھا۔

’’کیوں اماں! آپ کو خوشی نہیں ہو رہی۔ یہ سب میری محنت سے مجھے مل رہا ہے۔‘‘

’’ماشاء اللہ' اللہ اور دے۔ بہت ترقی کرو تم' پر بیٹا! ہمارے پاس اپنا گھر ہے تو۔‘‘ اماں اپنا گھر نہیں چھوڑنا چاہ رہی تھیں۔

’’بالکل ہے اور اللہ کا شکر ہے' ہمارے لیے بہت کافی ہے پھر بھی اماں ہمیں بنگلے میں جانا پڑے گا کیونکہ آپ کا بیٹا کوئی معمولی افسر نہیں ہے اور بڑے افسر کے گھر کو لوگ اسی کے حساب سے دیکھتے ہیں۔ آپ یہ باتیں پتا نہیں سمجھیں گی کہ نہیں البتہ یہ بات آپ سمجھ سکتی ہیں کہ بڑے بنگلے میں رہ کر ہم بیہ کی شادی اچھی جگہ کر سکیں گے۔‘‘ اس نے سمجھاتے ہوئے کہا تو اماں بس سر ہلا کر رہ گئیں۔

◆

پھر اگلے دن ہی جیسا کہ محسن صاحب نے اس سے کہا تھا۔ فاروقی صاحب کو اس کے پاس بھیج دیا تھا۔ جو اسے اپنے ساتھ لے کر گئے اور بنگلہ دکھا کر چابی اس کے حوالے کر دی۔ اسکے بعد تین چار دن اسے وہاں شفٹ ہونے میں لگے' گو کہ بنگلہ ویل ڈیکوریٹڈ تھا۔ پھر بھی کچھ اس کے اپنے شوق بھی تھے۔ خاص کر اپنے بیڈ روم کو وہ اپنی مرضی سے ڈیکوریٹ کرنا چاہتا تھا۔ اسی سلسلے میں وہ اسوقت آفس سے نکلا تو سیدھا طارق روڈ کا رخ کیا اور ابھی پہلے مرحلے پر ڈیکوریشن پیس دیکھ رہا تھا کہ عقب سے مانوس آواز سن کر بے اختیار پلٹا اور کاؤنٹر کے قریب سحر کو دیکھ کر اس نے بے اختیاری سے اس کے قریب جا کر پکار بھی لیا۔

’’سحر!‘‘

وہ بری طرح چونک کر متوجہ ہوئی اور پھر کچھ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی تو وہ ایک دم سنبھل کر بولا۔

’’کیسی ہو؟‘‘

’’ہاں' ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟‘‘ اس کے رسمی انداز پر وہ افسردگی سے مسکرایا اور اس کے اطراف نظر ڈال کر پوچھنے لگا۔

’’کس کے ساتھ ہو؟‘‘

’’فراز میرے شوہر۔‘‘ سحر نے کہا تو یکدم اس کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں اور کچھ کہنا چاہتا تھا کہ فراز آ گیا۔

’’ہاں بھئی' تم نے کیا لیا؟‘‘ فراز کی اس پر نظر نہیں پڑی تھی۔

’’وہ کاؤنٹر پر۔‘‘ وہ اسی قدر کہہ کر کاؤنٹر کی طرف گھوم گئی۔ تو اس نے بلا ارادہ فراز کو متوجہ کر لیا۔

’’ہیلو' مسٹر فراز۔‘‘

’’ہیلو سر! آپ یہاں۔‘‘

’’کیوں کیا میں یہاں نہیں آ سکتا۔‘‘ اس کا وہی آفیشل لہجہ اور انداز تھا۔

’’کیوں نہیں سر! آپ ہر جگہ آ جا سکتے ہیں۔‘‘ فراز نے کہہ کر سحر کو پکا لیا۔ ’’سر! یہ میری مسز ہیں۔‘‘

’’جانتا ہوں۔‘‘ اس نے سحر کے چہرے کا رنگ بدلتے دیکھ کر فوراً وضاحت بھی کر دی۔ ’آپ کی مسز میری کزن ہیں۔‘‘

’’رئیلی!‘‘ فراز حیران ہوا۔ ’’مجھے نہیں معلوم تھا اور سحر! تم نے بھی نہیں بتایا۔‘‘

وہ کیا کہتی' جز بز سی ہو کر دوسری طرف دیکھنے لگی تو فراز اس کی اس حرکت کو محسوس کرتے ہوئے اس سے بولا۔

’’بہر حال سر! مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔ آپ آیئے گا ناں ہمارے ہاں۔‘‘

’’ضرور کہاں ہے آپ کی رہائش؟‘‘ وہ بہت کوشش کر رہا تھا کہ اس لڑکی کو نہ دیکھے لیکن نظریں بار بار اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ جس سے اس کی پریشانی اور گھبراہٹ میں اضافہ ہو رہا تھا۔

’’کلفٹن' ساحل کے قریب۔‘‘ فراز نے بتایا تو اس نے کچھ کھو کر زیر لب دہرایا۔

’’ساحل کے قریب۔‘‘ پھر ذرا سا مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اچانک ایک

خیال کے تحت براہ راست سحر کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

”سحر! تم کتنے دنوں سے گھر نہیں گئیں۔ آئی مین چچا جان' چچی جان کے پاس؟“

”ایک ہفتہ یا شاید اس سے زیادہ۔“ وہ پرسوچ انداز میں بولی۔

”بہرحال فرصت ملے تو چلی جانا۔ چچی جان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ او کے مسٹر فرا ی یو۔“

وہ سحر کو احساس دلا کر دکان سے نکل آیا اور کیونکہ اب اس کا موڈ بدل گیا تھا۔ اس ۔! پھر کہیں نہیں رکا اور سیدھی گھر کی راہ لی تھی۔

سحر نے عاطف علی کے جاتے ہی فراز سے امی کے ہاں چلنے کو کہا اور وہ کیونکہ ان کی طبیعت کی خرابی کا سن چکا' اس لیے منع نہیں کر سکا البتہ یہ ضروری کہا کہ وہ اپنی شاپنگ مکمل کر لے پھر چلیں گے۔ لیکن اس کا اب کہاں شاپنگ میں دل لگنا ہے۔ امی کو دیکھنے کے لیے بے چین ہو کر بولی۔

”شاپنگ پھر ہو جائے گی فراز! بس آپ چلیں۔“

اس تمام عرصے میں یہ اس کی پہلی ضد تھی اور ناجائز بھی نہیں تھی۔ پھر بھی فراز کا موڈ آف ہو گیا۔ بولا کچھ نہیں تھا لیکن اس کے ہر انداز سے جو ناگواری جھلک رہی تھی' وہ زیادہ تکلیف د تھی۔ عام حالت میں وہ راستے ہی سے بائیک واپس مڑوا دیتی لیکن اب مجبوری تھی۔ بس اند ہی اندر خائف ہونے کے ساتھ تمام راستہ کڑھتی بھی رہی تھی۔

”اب یہاں رکنے کی بات مت کرنا۔“

فراز نے گھر میں داخل ہونے سے پہلے تنبیہہ کی تو اس کی سمجھ میں آیا کہ اس نے اپنا موڈ کیوں خراب کر لیا ہے لیکن کچھ جتایا نہیں۔ خاموشی سے اس کے ساتھ اندر آئی اور ابو کو کچن میں دیکھ کر دکھ سے بولی۔

”ابو! آپ کھانا بنا رہے ہیں۔“

”ہائیں۔ نہ سلام نہ دعا۔“ انوار چچا نے ٹوکا فوراً بولی۔

”السلام علیکم۔“

”خوش رہو۔“ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا پھر کچن سے نکل کر آئے اور فراز کے

سلام کا جواب دینے کے ساتھ اسے گلے لگاتے ہوئے پوچھا۔

”خیریت سے ہو میاں؟“

”جی ہاں۔ آپ کی خیریت معلوم کرنے آئے ہیں بلکہ امی کی۔ کیا ہوا ہے انہیں؟“ فراز کا انداز شروع سے روایتی دامادوں والا تھا۔

”ملیریا ہو گیا تھا۔“

”ابو! آپ نے مجھے خبر کیوں نہیں کی۔ اب کیسی ہیں امی؟“ وہ کہتی ہوئی تیزی سے امی کے کمرے میں آئی اور ان کے سینے سے لگ گئی۔ ”اتنے دنوں سے بیمار ہیں آپ اور مجھے اطلاع تک نہیں کی۔“

”اسی لیے نہیں کی کہ پریشان ہو جاتی ہو۔ ہٹو اٹھنے دو۔ فراز آ رہا ہے۔“ امی نے فراز کو کمرے میں آتے دیکھ کر اسے ہٹایا اور اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

”السلام علیکم۔ اب کیسی طبیعت ہے آپ کی۔“ فراز نے سلام کے ساتھ پوچھا۔

”اب تو بہت بہتر ہوں۔ بیٹھو......“

”کم از کم اطلاع تو کرنی چاہیے تھی ہمیں۔ ابو آفس سے ہی فون کر دیتے۔“ فراز نے بیٹھتے ہوئے کہا تو وہ اس کی تائید میں بولی۔

”یہی میں بھی کہہ رہی ہوں۔“

”چلو اب آ تو گئی ہو اور مجھے دیکھ بھی لیا ہے۔“ انہوں نے بات ختم کرنے کی غرض سے کہا۔

”ہمارا آج آنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ بس آپ کا سنا تو شاپنگ چھوڑ کر چلے آئے۔“ فراز جتانے سے باز نہیں آیا کہ وہ اپنا کام چھوڑ کر آیا ہے۔

”اچھا' کس سے سنا؟“ امی نے پوچھا تو فراز سے پہلے وہ بول پڑی۔

”وہ عاطف ملے تھے طارق روڈ پر۔ انہوں نے بتایا کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”اچھا۔ ہاں ایا تھا وہ اس روز اماں اور بہن کے ساتھ۔“ انہوں نے ناگواری سے کہا تو وہ اس ذکر کو یہیں ختم کرنے کی خاطر اٹھتی ہوئی بولی۔

”ابو! کچن میں کیا کر رہے ہیں۔“

’’آ گیا بیٹی آ گیا۔‘‘ انوار چچا چائے کی ٹرے لیے ہوئے آ گئے تو وہ جلدی سے ان کے ہاتھ سے ٹرے لیتے ہوئے بولی۔

’’آپ بھی کمال کرتے ہیں ابو! میں بنا لیتی۔‘‘

’’روزانہ تو جیسے تم بناتی ہو۔‘‘ انہوں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا پھر فراز کے پاس بیٹھتے ہوئے بولے۔ ’’اور میاں تم سناؤ۔‘‘ کام وام ٹھیک چل رہا ہے؟‘‘

’’ہاں جی۔ جاب تو میری بہت اچھی ہے اور ہاں مجھے ابھی معلوم ہوا کہ وہ ہمارے ایم ڈی آپ کے رشتہ دار ہیں۔‘‘ فراز نے پھر اس کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔

’’ایم ڈی کون ہیں؟‘‘ انوار چچا غالباً بھول گئے تھے۔

’’مسٹر عاطف علی!‘‘ اس نے بتایا تب فوراً بولے۔

’’ہاں عاطف علی۔ میرا بھتیجا ہے۔ ماشاءاللہ بہت ترقی کر گیا ہے اور بہت جلدی۔‘‘

’’جلدی سیڑھیاں چڑھنے والے گرتے بھی اسی طرح ہیں۔‘‘ امی نے نخوت سے کہا تو وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

’’نہیں خیر وہ محنتی لڑکا ہے۔‘‘ انوار چچا ابھی بھی اس کی تعریف کر رہے تھے ’’اور محنت کا پھل ضرور ملتا ہے۔ ابھی دیکھو اسے گاڑی بنگلہ سب مل گیا ہے۔‘‘

’’کمپنی کی طرف سے ملا ہے ناں۔ کما کر تو نہیں بنایا۔ تعریف تو جب ہو جب کما کر بنائے۔‘‘

’’ابو! چائے لیجیے۔‘‘

اسے بار بار مداخلت کرنی پڑ رہی تھی کہ کہیں ان کے یا امی کے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو اس کی زندگی کو تلخ بنا دے اور شاید اس کی اس بار کی مداخلت سے انوار چچا کو احساس ہو گیا تھا جب ہی ایک دم خاموش ہو گئے لیکن اب فراز شروع ہو گیا تھا وہی کہا جو وہ کہتے جا رہے تھے۔

’’جس پوسٹ پر ہیں کما کر بھی بنا لیں گے۔‘‘

’’ارے بیٹا! پرائیویٹ نوکری کا کوئی بھروسا ہوتا ہے۔‘‘ امی نے اس قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑا۔

’’ان کی جاب پرائیویٹ نہیں ہے بلکہ وہ تو اب کمپنی کے مالک بننے والے ہیں کیونکہ مالک کی بیٹی ان پر بہت مہربان ہے۔‘‘

’’لو سن لو۔ یوں ترقی کر رہا ہے وہ۔ مالک کی بیٹی پھنسا کر۔ اچھا ہوا میں نے اپنی بیٹی نہیں دی۔‘‘

جس بات سے وہ ڈر رہی تھی، وہی امی کے منہ سے نکل گئی تھی اور اب وہ مداخلت کرنے کے قابل بھی نہیں رہی تھی۔

’’کیا فضول باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو۔ چلو فراز میاں! ہم ادھر چلتے ہیں۔‘‘ انوار چچا، فراز کو لے کر کمرے سے نکل گئے۔ اس کے کتنی دیر بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھ کے امی کے قریب آئی تھی۔

’’امی! آپ کو فراز کے سامنے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ میں عاطف سے منسوب تھی تو......‘‘

’’لو اس میں چھپانے والی کیا بات ہے۔ ادھر سے منگنی نہیں توڑی گئی تھی جو کوئی یہ سوچے کہ تم میں کوئی عیب ہوگا۔ ہم نے توڑی تھی۔ بتا دینا فراز کو، مجھے شروع سے عاطف اور اس کے گھر والے پسند نہیں تھے۔‘‘

امی جس طرح اس بات کو اپنی بڑائی کے طور پر بیان کر رہی تھیں، اس سے اس نے مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ کیونکہ سمجھ گئی تھی کہ انہیں سمجھانا فضول ہے۔ البتہ یہ سوچ لیا کہ کسی اچھے وقت میں وہ خود فراز کو بتا دے گی اور ایسے انداز میں جس سے اس کی عاطف علی سے وابستگی ظاہر نہ ہو۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی فراز کی نظروں میں وہ اول روز سے ہی مشکوک ٹھہری تھی۔ صرف اس لیے کہ رجاء نے جاب کے ساتھ فوری شادی کی شرط رکھی تھی اور گو کہ بعد میں اس نے کہہ دیا تھا کہ اسکے پیش نظر صرف وہ تھا۔ وہ اس کی زندگی سنوارنا چاہتی تھی۔ اسے اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ اس کی شادی کس سے ہو رہی ہے وہ سحر ہوتی یا کوئی اور۔ پھر سحر نے بھی اول روز جب اس نے اس سے رجاء کے بارے میں پوچھا تھا تو صاف انکار کر دیا تھا کہ وہ اسے نہیں جانتی، اس کے باوجود وہ ان دونوں کے بارے میں نہ صرف مشکوک بلکہ ان کی کھوج میں بھی تھا کہ کہیں تو ان دونوں کا تعلق ظاہر ہوگا اور اس تعلق کی ایک کڑی آج شام میں اچانک

اس کے ہاتھ آ گئی تھی جب عاطف علی نے یہ انکشاف کیا تھا کہ سحر اس کی کزن ہے جبکہ رجاء پہلے ہی اسے بتا چکی تھی کہ وہ عاطف علی کو پسند کرتی ہے۔ یوں ان تینوں کو ایک ساتھ سوچنے کے بعد اس رات اس نے سحر کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اپنے ماضی کو چھیڑ دیا۔

”میری ماں کا انتقال جب میں میٹرک میں تھا تب ہوا تھا۔ ان کے بعد پھر بس ابا اور میں رہ گئے تھے اور پتا نہیں کیوں ابا نے دوسری شادی نہیں کی۔ شاید اس لیے کہ ان کی زندگی بھی تھوڑی تھی۔ میرے ماں باپ دونوں کے نصیب میں میری خوشیاں دیکھنی نہیں لکھی تھیں۔

بہر حال ابا کے بعد تو میں بالکل اکیلا ہو گیا کوئی نہیں تھا میرا۔ اس لیے میرا ہر شے سے بلکہ دنیا سے ہی جی اچاٹ ہو گیا۔ ساری جدوجہد، لگن اور بڑا بننے کی خواہش دم توڑ گئی تھیں۔ زندگی سے مایوس۔ بیمار ایک اکیلے کمرے میں پڑا رہتا۔ ایسے میں رجاء نے مجھے بہت سہارا دیا۔ وہ یونیورسٹی میں میری بہت اچھی دوست تھی اور صحیح معنوں میں اس نے دوستی کا حق ادا کیا۔“

اس نے رجاء کے ذکر کے ساتھ ہی سحر کو کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ جس کے چہرے پر فوراً کوئی تاثر نہیں ابھرا تھا۔

”وہ اور زارا دونوں میرے پاس آئی تھیں۔ رجاء مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گئی۔ میرا مکمل چیک اپ کرایا اس کے ساتھ اس نے مجھے بہت حوصلہ دیا تھا۔ میں بہت ممنون ہوں اس کا۔ اس نے میرے اندر کی لگن کو پھر سے زندہ کیا تھا۔ جب ہی بیماری سے اٹھتے ہی میں نے نئے سرے سے جاب کی تلاش شروع کر دی اور یہاں بھی رجاء ہی میرے کام آئی۔ یعنی جب مجھے کہیں جاب نہیں ملی تو میں آخری کوشش کے طور پر پھر اس کے پاس گیا تو اس نے اسی وقت مجھے اپائنٹ کر لیا اور یہی نہیں اسکے بعد اسنے اتنی جلدی مجھے سیٹ کیا کہ میں ابھی بھی کسی وقت حیران ہوتا ہوں۔“

وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو کر بظاہر کھو سا گیا جیسے رجاء کی مہربانیاں سوچ رہا ہو۔ ورنہ درحقیقت انتظار کر رہا تھا کہ وہ کوئی سوال کرے گی لیکن وہ بالکل خاموش تھی۔ تب مایوس ہو کر وہ مزید گویا ہوا۔

”اس نے سب سے پہلے میری شادی پر زور دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اکیلا آدمی بہت جلدی

مایوس ہو کر اپنی زندگی سے بھی کھیل جاتا ہے۔ دوسری صورت میں اسے ان لوگوں کے لیے ہر حال میں جینا پڑتا ہے جو اس سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اس لیے اس نے میری شادی پر زور دیا تاکہ میں اپنے بال بچوں کے لیے زندہ رہنے کی خواہش رکھوں۔ جبکہ میں اس وقت شادی کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ جاب تو مل گئی تھی لیکن گھر اور پھر کون تھا جو میرے لیے لڑکی تلاش کرتا۔ یہ کام بھی رجاء نے کیا۔ پتا نہیں۔ اس نے تمہیں کہاں دیکھا اور میرے لیے پسند بھی کر لیا۔“

”وہ بڑی خوبصورتی سے اصل بات پر آ گیا تھا تو ایک لحظہ کو رکا پھر جیسے اچانک یاد آنے پر کہنے لگا۔

”نہیں، رجاء کہہ رہی تھی۔ کسی نے اس سے تمہارے بارے میں کہہ رکھا تھا کہ کوئی اچھا پروپوزل ہو تو۔ اور میرا خیال ہے وہ کسی تمہارا کزن عاطف علی ہو گا اور اس سے یقیناً تمہارے امی/ابو نے کہا ہو گا۔“

”نہیں،“ وہ جو اندر ہی اندر خائف ہو رہی تھی۔ بے اختیار بول پڑی۔

”امی! ابو عاطف سے نہیں کہہ سکتے۔“

”کیوں؟“ اس نے پوچھا پھر فوراً خود ہی کہنے لگا۔ ”ہاں نہیں، عاطف سے نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ تو شاید تمہاری شادی اس سے کرنا چاہتے ہوں گے۔“

”نہیں، میرے ماں باپ اگر ایسا چاہتے تو میری شادی اسی سے ہوتی کیونکہ ہماری منگنی ہو چکی تھی۔“

وہ جس بات کو کہنے کے لیے کسی اچھے وقت کے انتظار میں تھی، وہ اسی وقت کہہ گئی اور یہ بات فراز کے گمان میں بھی نہیں تھی۔ جب ہی پہلے حیران ہوا پھر چونکا اور پھر اس کا ذہن بہت تیزی سے سوچنے لگا تھا۔

”اصل میں امی کو شروع سے عاطف علی کا گھرانہ پسند نہیں تھا لیکن ابو نے پہلے اپنی منوالی تھی پھر یہ تو نہیں ہو سکتا تھا کہ امی کی مرضی کے بغیر شادی ہوتی، اس لیے وہ بات ختم کر دی۔“

وہ اب اپنی پوزیشن صاف کرنے میں لگ گئی تھی۔ فراز سوچتے ہوئے انداز میں اسے دیکھتا رہا جب وہ خاموش ہوئی تو زور زور سے ہنسنے لگا۔

''اصل بات یہ نہیں ہے سحر بیگم! اصل بات یہ نہیں ہے۔''

''پھر؟'' وہ مزید خائف ہوگئی۔

''یہ سارا کھیل رجاء کا ہے' رجاء محسن علی' کمال کر دیا اس لڑکی نے' آخر ہے ناں بزنس مین کی بیٹی۔ گھاٹے کا سودا کیوں کرے گی۔'' وہ اصل بات تک پہنچ کر اب رجاء کو اس انداز سے سراہ رہا تھا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟ رجاء نے کیا کیا ہے؟'' وہ اس کے پینترا بدلنے پر الجھ گئی۔

''محبت۔ عاطف علی سے محبت اور اپنی محبت پانے کے لیے اس نے یہ سارا چکر چلایا۔''

وہ اس وقت اپنی کھوج میں کامیابی پر خوش ہو کر بول رہا تھا۔

''تم عاطف علی کی منگیتر تھیں اور رجاء کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ' دیکھ لو اس نے اس رکاوٹ کو کیسے دور کیا۔ لیکن اب اسے یہ خدشہ لاحق ہے کہ کہیں عاطف علی کو معلوم نہ ہو جائے۔ جب ہی میرے پاس آئی تھی یہ کہنے کہ عاطف علی کے سامنے میں اس بات کا ذکر نہ کروں کہ مجھے جاب اس نے دی ہے اور میری شادی بھی اس نے کرائی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔''

وہ بات کے اختتام پر پھر ہنسنے لگا۔

اور سحر گم صم اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اس وقت اس کو ہنسی اسے زہر لگ رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کوئی ایسی حرکت کرے جس سے اس کی ہنسی کو ایک دم بریک لگ جائیں۔ لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ کیا کرے وہ تو اپنی حیثیت کا تعین بھی نہیں کر پا رہی تھی۔

''تم' تمہیں کیا بات حیران کر رہی ہے؟'' وہ ہنسنا ترک کر کے اسے دیکھنے لگا' تو وہ چونک کر بولی۔

''حیران۔ نہیں تو......''

''دکھ تو ضرور ہو رہا ہوگا کہ اس کھیل میں سب سے زیادہ نقصان تمہارا ہوا۔'' وہ ٹھیک کہہ رہا تھا لیکن وہ اس کی تائید نہیں کر سکتی تھی۔ بمشکل انجان بن کر بولی۔

''میرا کیوں؟''

''کیونکہ رجاء نے تم سے عاطف علی کو چھینا اور وہ کوئی عام سا بندہ نہیں ہے جس کے چھن جانے کا دکھ نہ ہو۔''

فراز نے کہا تو وہ کتنی دیر تاسف سے اسے دیکھتی رہی گو کہ یہی سچ تھا لیکن اسے زبان پر لا کر فراز نے اپنی کم ظرفی کا ثبوت دیا تھا۔

''آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ عاطف علی کے ساتھ میری کوئی کمٹ منٹ نہیں تھی۔ ہمارے بڑوں نے ہماری منگنی کی اور توڑ بھی دی تھی۔ جس کا مجھے کوئی دکھ نہیں تھا اور یہ بات شاید رجاء کو نہیں معلوم تھی۔'' وہ اس کی نظروں میں نہیں گرنا چاہتی تھی۔ اس لیے صفائی سے جھوٹ بول گئی۔

''چلو یہ بھی اچھا ہوا کہ اسے نہیں معلوم تھی ورنہ وہ میرے ساتھ اتنی بھلائی نہ کرتی۔'' وہ ڈھٹائی سے بولا۔

''یہ آپ کی سوچ ہے بہر حال جو بھی ہوا اچھا ہوا۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم خوش ہو؟'' فراز نے ایکدم سنجیدہ ہو کر پوچھا تو وہ قصداً مسکرا کر بولی۔

''ہاں۔ میں آپ کے ساتھ خوش ہوں۔''

◆

وہ پہلے زارا کی شادی میں مصروف رہی پھر تھکن اتارنے کے لیے مزید دو دن آفس نہیں گئی۔ اس دوران دوبار عاطف علی نے فون کیا اور گو کہ صرف اس کی خیریت معلوم کی تھی اور وہ اس پر ہی بہت خوش تھی۔ اس وقت آپی کے سامنے اس کا ذکر کرتے ہوئے کسی طرح اپنی خوشی پر قابو نہیں پا رہی تھی۔

’’مجھے لگتا ہے آپی! اب وہ مجھے پسند کرنے لگا ہے اور بہت جلد اسکا اظہار بھی کر دے گا۔ ہائے آپی! وہ دن میری زندگی کا سب سے خوبصورت دن ہوگا۔‘‘

’’پگلی!‘‘ آپی نے جھٹ اس کا گال تھپکا پھر کہنے لگیں۔ ’’ویسے مجھے حیرت ہے کہ اس نے اتنی دیر کیوں کی، تم تو پہلی نظر میں دل میں اترنے والی چیز ہو۔ کہیں اس کی نظر تو کمزور نہیں ہے۔‘‘

’’جی نہیں۔‘‘ وہ اٹھلا کر بولی۔

’’پھر اتنی دیر کیوں؟‘‘

’’بس وہ......‘‘ وہ کہنے جا رہی تھی سحر کی وجہ سے جس کی محبت سے نکلنے کے بعد ہی وہ اس کی طرف متوجہ ہو سکتا تھا۔ لیکن فوراً سنبھل گئی اور بات بناتے ہوئے بولی۔

’’وہ یہاں کب تھا۔ ایک سال تو لندن میں رہا۔ پھر آپی وہ ان لوگوں کی طرح نہیں ہے۔ جو دل ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں۔ اسے خود پر بہت اختیار ہے اور اس کی اسی بات نے تو مجھے متاثر کیا ہے۔‘‘

’’چلو کہیں تو تم متاثر ہوئیں اور مجھے کب اس کے درشن نصیب ہوں گے۔ ممی بھی اتنی تعریف کرتی ہیں اس کی۔‘‘

’’وہ ہے ہی تعریف کے قابل ہے۔‘‘ وہ خوش ہو کر بولی۔ ’’اتنا ہینڈسم اتنا ڈیسنٹ۔‘‘

’’خیر، کم تو تم بھی نہیں ہو۔ بس اب جلدی تمہاری شادی ہونی چاہیے۔ ڈیڈی اس سے بات کیوں نہیں کرتے۔ میرا مطلب ہے شادی کی۔‘‘ آپی نے کہا۔

’’کیوں ڈیڈی کیوں بات کریں گے، پہل اس کی طرف سے ہوگی۔‘‘

’’یہ سب پرانی باتیں ہیں کہ لڑکے والے ہیں......‘‘

’’نہیں آپی۔‘‘ اس نے فوراً ٹوک دیا۔ ’’پرانی باتیں ہوں یا نئی، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ اپنے معاملے میں میں پہل اسی کی طرف سے چاہتی ہوں۔ ورنہ میں پہلے مرحلے پر ہی س سے آئی لو یو نہ کہہ دیتی۔‘‘

’’ہو سکتا ہے، وہ تمہاری طرف سے اس بات کا منتظر ہو۔‘‘ آپی نے اپنا خیال ظاہر کیا تو وہ کچھ کھو کر بولی۔

’’اگر ایسا ہے تب بھی نہیں کہوں گی۔ میں اس کے منہ سے سننا چاہتی ہوں۔‘‘

’’اچھی بات ہے۔ میں دعا کروں گی، اللہ اسے جلد توفیق دے۔‘‘ آپی کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں تو اس نے چونک کر انہیں دیکھا پھر ان کے ساتھ کمرے سے نکل آئی۔

پھر وہ پورے آٹھ دن بعد آفس گئی تو اس کا ارادہ کچھ دیر ڈیڈی کے پاس بیٹھنے کا تھا اس کے بعد وہ عاطف علی کے پاس جانا چاہتی تھی لیکن اس سے پہلے ڈیڈی کسی کام سے نکل گئے اور کتنے کام اس پر چھوڑ گئے تھے۔ جنہیں نمٹاتے نمٹاتے دوپہر ہو گئی۔ تو اس نے فاروقی صاحب

کو بلا کر جو ایک دو فائلیں رہ گئی تھیں انہیں سونپیں۔ پھر ڈیڈی کے موبائل پر فون کر کے انہیں اپنے جانے کا بتا کر اٹھنے لگی تھی کہ عاطف علی کا فون آ گیا چھوٹتے ہی بولا تھا۔

''بہت چھٹیاں کرنے لگی ہیں آپ۔''

''کون عاطف علی۔'' وہ بے ساختہ مسکرا کر بولی۔

''میں ابھی آپ کی طرف آ رہی ہوں۔''

''بس تو فوراً آ جائیں۔'' ادھر سے فوراً کے ساتھ فوراً سلسلہ منقطع بھی ہو گیا۔

''فوراً جناب فوراً......'' اس کے اندر ایک ہلچل مچ گئی تھی۔ جلدی جلدی میں گاڑی کی چابی نظر نہیں آ رہی تھی اور ابھی اسے ڈھونڈتے ہوئے جھنجلا رہی تھی کہ مزید فراز کی آمد نے اسے کوفت میں مبتلا کر دیا۔

''کیسے آئے؟'' اس کے لہجے میں واضح ناگواری تھی۔

''تم کہاں تھیں اتنے دنوں سے؟ آئی مین آفس کیوں نہیں آ رہی تھیں؟'' فراز نے اس کی ناگواری اور سوال دونوں نظر انداز کر دیے۔ تو اس کا دل چاہا کہے تمہیں کیا میں آؤں یا نہ آؤں لیکن وہ اس سے اس طرح بات نہیں کر سکتی تھی۔ مجبوراً جواب دینا پڑا۔

''زارا کی شادی میں مصروف تھی۔''

''ارے زرا کی شادی ہو گئی۔ مجھے کیوں نہیں بلایا اس نے۔''

''یہ تم اس سے پوچھنا۔'' اسے چابی نظر آ گئی تھی۔ جھپٹنے کے انداز میں اسے اٹھا کر بولی۔

''ملے گی تو ضرور پوچھوں گا۔''

''اچھا، میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں۔ تم اگر یہاں بیٹھ کر ڈیڈی کا انتظار کرنا چاہتے ہو تو۔''

''نہیں، میں آفیشل کام سے نہیں ایا۔'' وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑا۔

''پھر؟'' اسکے انداز میں ابھی بھی عجلت تھی جیسے جو کہنا ہے جلدی کہو۔

''تمہیں معلوم ہے۔ مسٹر عاطف علی میری بیوی سحر کے کزن ہیں۔'' فراز نے جان بوجھ کر قدرے توقف کر کے پوچھا۔ تو وہ نہ صرف ٹھٹھکی بلکہ اندر ہی اندر پریشان بھی ہو گئی پھر بھی انجان بن کر بولی۔

''اچھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا۔''

''اب تو معلوم ہو گیا ہے ناں؟'' فراز نے زور دے کر کچھ جتانا چاہا لیکن وہ سمجھی نہیں۔

''پھر، میں کیا کروں اگر وہ تمہاری بیوی کے کزن ہیں تو۔''

''کزن کے علاوہ منگیتر بھی تھے۔'' فراز نے اس بار کمینگی سے کہا تو وہ سچ مچ ڈھے گئی۔

''کیا کہنا چاہتے ہو تم؟''

''میں کچھ نہیں کہوں گا۔ میں تم سے وعدہ کر چکا ہوں لیکن سحر، وہ تو کسی وعدے کی پابند ہے نہ اس پر تمہارا کوئی احسان ہے۔'' وہ ٹیبل پر دونوں بازو جما کر براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''میری بات سمجھ رہی ہو نا۔''

''ہا...... ہاں...... نہیں۔'' وہ ضبط کرتے کرتے بھی رو پڑی، کیونکہ اس نے یہ سب نہیں سوچا تھا۔ بس سحر کی شادی کرا کے سمجھ لیا کہ سب ٹھیک ہو گیا اور سب ٹھیک ہو بھی سکتا تھا اگر جو فراز کی نیت میں کھوٹ نہ ہوئی۔ وہ اس کی مہربانیاں اس کے احسان بھول کر اسے بلیک میل کر رہا تھا اور وہ ایسی نادان کہ ابھی بھی اسے دوست سمجھ رہی تھی۔

''میری تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا فراز! تم بتاؤ میں کیا کروں۔''

''ارے رے، یہ تم رونے کیوں لگیں۔ پلیز روؤ مت، مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔'' فراز نے فوراً رومال نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ پھر قدرے رک کر افسوس سے کہنے لگا۔

''کاش! تم نے اول روز ہی مجھ پر ہر بات واضح کر دی ہوتی۔ لیکن شاید تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں تھا۔''

''نہیں، یہ بات نہیں ہے۔'' وہ آنسو پونچھتی ہوئی بولی۔ ''تم غلط مت سمجھو۔''

''غلط نہ صحیح، میں کچھ نہیں سمجھ رہا۔ جب تک تم نہیں سمجھاؤ گی۔'' وہ اب ہر بات اس کے منہ سے سننا بلکہ اگلوانا چاہتا تھا۔ ''مجھ پر اعتماد کرو رجاء! میں تمہارا دوست ہوں۔ ہرگز تمہیں پریشان نہیں دیکھ سکتا۔ ویسے تم پریشان کس بات سے ہو؟''

''تم جان تو گئے ہو۔'' وہ جزبز سی ہو کر بولی۔

''میں زیادہ کچھ نہیں جان پایا۔ خیر تم نہیں بتانا چاہتیں تو میں اصرار بھی نہیں کرتا۔ البتہ یہ

ضرور بتا دو کہ مجھے کیا کرنا ہے۔’’ فراز نے کندھے اچکا کر عدم دلچسپی کا اظہار کیا تو وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔

‘‘مجھے عاطف علی نے پہلی نظر میں اٹریکٹ کیا تھا۔ حالانکہ میں اس وقت اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی اور اگر دوبارہ اس سے سامنا نہ ہوتا تو شاید کچھ عرصے بعد وہ ایک بھولا بسرا خواب ہو جاتا لیکن اتفاق کہہ لو یا قسمت کا کھیل کہ بہت جلد ہماری دوبارہ ملاقات ہو گئی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ انگیج ہے۔ بہت بعد میں معلوم ہوا تب تک میں بہت دور نکل چکی تھی اور گو کہ واپسی مشکل تھی پھر بھی میں نے سوچ لیا کہ اس کے راستے سے ہٹ جاؤں گی۔ لیکن ان ہی دنوں اتفاق سے تم آ گئے اور یہ بھی اتفاق تھا کہ اس وقت میں سحر کو سوچ رہی تھی پھر بس اچانک خیال آیا کہ اگر سحر کی شادی ہو جائے تو میں اپنی محبت پا سکتی ہوں۔ یوں میں نے تمہارے سامنے شادی کی شرط رکھ دی اور تم نے مان بھی لی۔’’

اس نے آخر میں یوں ہونٹ سکیڑے جیسے خود بھی حیران ہو رہی ہو کہ سب کچھ آناً فاناً کیسے ہو گیا۔

‘‘قسمت تمہارا ساتھ دے رہی تھی بلکہ دے رہی ہے۔’’ فراز نے اس کی حیرت سمجھ کر کہا۔

‘‘ہاں!’’ وہ ہاں کی صورت گہری سانس کھینچتی ہوئی بولی۔ ‘‘ورنہ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ تم شادی سے انکار کر دیتے۔’’

‘‘سب قسمت کا کھیل ہے یار! بہر حال جو ہوا اچھا ہوا۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تم کس بات سے پریشان ہو؟’’ فراز نے ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر پھر اس کی پریشانی کا سبب پوچھا تو وہ کچھ دیر رک کر بولی۔

‘‘سحر۔ مجھے سحر کی طرف سے خدشہ ہے کہ کہیں وہ عاطف علی کے سامنے یہ نہ کہہ دے کہ اس کی شادی میں میرا کوئی۔’’

‘‘نہیں کہے گی۔’’ وہ فوراً بول پڑا۔ ‘‘میرا مطلب ہے، میں اسے سمجھا دوں گا۔ تم بالکل بے فکر ہو جاؤ۔’’

‘‘ایک منٹ۔’’ وہ ایک دم یاد آنے پر ٹوک کر پوچھنے لگی۔ ‘‘کیا سحر جانتی ہے کہ اس سے شادی کے لیے میں نے تم سے کہا تھا۔’’

‘‘ہاں، اسی لیے تو میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ اگر تم شروع ہی میں مجھے ساری بات بتا دیتیں تو میں سحر کو ہوا بھی نہ لگنے دیتا۔ لاعلمی کے باعث میں اس سے تمہارے بارے میں پوچھتا رہا اور یہ بھی کہا کہ ہماری شادی تم نے کرائی ہے۔ بہر حال تم فکر مت کرو۔’’

وہ اسے پریشان کر کے کہہ رہا تھا، فکر مت کرو۔ تب ہی ہلکی سی دستک کے ساتھ دروازہ کھلا تو وہ عاطف علی کو دیکھ کر گھبرا گئی۔

‘‘مے آئی کم ان مس!’’ عاطف علی نے دلکش مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا تو وہ بس ذرا سا سر ہلا سکی۔

‘‘آپ نے تو کہا تھا کہ آپ.....’’ وہ فراز کو دیکھ کر ایک لحظہ رک کر بولا۔ ‘‘سوری، میں شاید مخل ہوا ہوں۔’’

‘‘نو سر! آپ ٹھیک وقت پر آئے ہیں۔’’ فراز فوراً کھڑا ہو گیا۔

‘‘میں بس جا رہا تھا۔ او کے مس رجاء! آپ پلیز یاد سے میرے چیک سائن کروا دیجیے گا، میں کل صبح پہلے یہیں آؤں گا۔’’

‘‘اچھی بات ہے۔’’ وہ فراز کے بات بنانے پر کچھ سنبھل گئی تھی اور اس کے جانے کے بعد عاطف علی کو دیکھ کر بولی۔

‘‘سوری، میں فوراً نہیں آ سکی، آپ پلیز بیٹھیں۔’’

‘‘یہاں؟ آئی مین پانچ تو بج گئے ہیں۔ چلیں کہیں باہر چلتے ہیں۔’’

اس نے رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا تو وہ کچھ شش و پنج میں پڑ گئی۔ کیونکہ اندر سے پریشان تھی اور نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کی پریشانی کو ذرا سا بھی محسوس کرے۔

‘‘انکار مت کرنا رجاء، پلیز۔’’

وہ جانے کیا سوچ کر آیا تھا، پل میں تکلف کی دیوار گرا کر اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ جسے چاہنے کے باوجود وہ تھام نہیں سکی اور کچھ انجان سی بن کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

کتنا انتظار تھا اسے اس دن کا، اس لمحے کا جب وہ خود سے اس کی طرف پیش رفت کرے گا۔ اس نے سوچا تھا وہ اس کی زندگی کا خوب صورت ترین دن ہو گا اور اس دن وہ سارے گھر

میں اعلان کرے گی کہ اس کی محبت جیت گئی۔ وہ واقعی جیت گئی تھی لیکن کیا ستم ظریفی تھی کہ اپنی جیت پر وہ خوش بھی نہیں ہو پا رہی تھی۔

ساحل کی گیلی ریت پر اس کے سنگ چلتے ہوئے وہ گم صم سی تھی۔ گو کہ فراز نے اسے کافی اطمینان دلایا تھا پھر بھی وہ اپنے اندر اٹھتے خدشوں کو دبا نہیں پا رہی تھی۔ مسلسل انہی میں گھری اس کی باتیں سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی۔ پتا نہیں وہ کیا کہہ رہا تھا، شاید اپنی کسی بات کا جواب مانگ رہا تھا اور کچھ انتظار کے بعد وہ ایک دم اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں رجاء کیا تمہیں میرے ساتھ آنا اچھا نہیں لگا۔''

''نہیں۔ میرا مطلب ہے، یہ خیال کیوں آیا آپ کو؟'' وہ اندر ہی اندر خود کو سرزنش کرتی ہوئی بولی۔

''تمہاری خاموشی۔ بلکہ مجھے تم پریشان لگ رہی ہو۔'' وہ اس کے ستے ہوئے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔

''پتا نہیں آپ کو ایسا کیوں لگ رہا ہے۔ چلیں، کہیں بیٹھتے ہیں۔'' وہ سنبھل کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ پھر ایک طرف اشارا کر کے چل پڑی۔

''اب پہلے تم مجھ یقین دلاؤ کہ تم محض میرا دل رکھنے کی خاطر میرے ساتھ نہیں آئیں۔'' عاطف علی نے اس کی منتخب کردہ جگہ پر اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا تو وہ فوراً حلف کے انداز میں ہاتھ اٹھا کر بولی۔

''میں خدا کو حاضر و ناصر جان کر کہتی ہوں کہ محض آپ کا دل رکھنے کی خاطر نہیں آئی بلکہ۔'' وہ جھینپ کر خاموش ہوگئی۔ کیونکہ وہ بہت محظوظ مسکراہٹ کے ساتھ دیکھنے لگا تھا اور ٹوکا بھی۔

''بلکہ......؟''

''مجھے نہیں پتا۔''

''مجھے پتا ہے، لیکن بتاؤں گا نہیں۔ البتہ اپنے بارے میں ضرور کہوں گا کہ مجھے اس وقت بہت اچھا لگ رہا ہے۔ یہ سمندر، اس کا شور، لہروں کی روانی، الوداعی کرنیں بکھیرتا سورج، احساسات کو نرمی سے چھوتی ہوا اور تم......''

''وہ آخر میں اچانک اس کی آنکھوں میں جھانک کر اس کے اندر کی دنیا تہہ و بالا کر گیا۔

''میرے خدا!'' وہ اپنے چہرے پر اترتے رنگ نہیں چھپا سکتی تھی اور نہ ہی اس کی طرف

سے رخ موڑ سکی تو تھوڑی گھٹنوں پر ٹکا لی۔

وہ کچھ دیر اس کے چہرے پر پھیلے رنگ دیکھتا رہا پھر مچلتی لہروں پر نظریں جما کر کہنے لگا۔

''پتا نہیں مجھے کہنا چاہیے کہ نہیں، لیکن یہی سچ ہے کہ میں تمہیں پسند کرنے لگا ہوں بلکہ

اس سے بھی کچھ زیادہ۔ ایک دن تمہیں نہ دیکھو تو لگتا ہے جیسے کچھ کھو گیا ہے اور ایسا اچانک نہیں

ہوا۔ دھیرے دھیرے مجھے پتا بھی نہیں چلا۔ میں تو کسی اور کو سوچتا تھا، کب تمہیں سوچنے لگا

یوں کہ ہر رنگ میں ہر منظر میں تمہارا عکس جھلملانے لگا۔''

وہ اس کے دلنشیں لہجے میں کھو کر ایک ٹک اسے دیکھے گئی۔ دل چاہ رہا تھا۔ وہ یونہی بولتا

رہے اور وہ سنتی رہے۔

''سنو، کیا میں تمہیں پرپوز کر سکتا ہوں؟'' وہ جانے کیا کچھ کہنے کے بعد آخر میں اس کی

آنکھوں میں دیکھ کر پوچھ رہا تھا اور وہ اتنی بولڈ ہو کر بھی صرف پلکیں جھکا سکی۔

وہ شروع سے قسمت پر یقین رکھتا تھا۔ اس رات حالات واقعات کو ترتیب سے سوچنے

کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کی قسمت میں یہی سب لکھا تھا۔ یعنی سحر کے بجائے رجاء سے

شادی۔ تب ہی تو ڈیڑھ سال کے مختصر عرصے میں وہ اس مقام تک پہنچ گیا تھا کہ رجاء کو پرپوز کر

سکے ورنہ جن حالات میں وہ اسکے پاس گیا تھا تب ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ بہرحال اگلی صبح

اس نے ناشتے کی ٹیبل پر بیہ کا من پسند موضوع چھیڑ دیا۔

''میں سوچ رہا ہوں، اپنی پرموشن ہونے پر کوئی چھوٹی موٹی تقریب کرلوں۔''

''لیجیے، میں تو جب سے ہم اسے بنگلے میں آئے ہیں، تب سے کہہ رہی ہوں۔ آپ سن

ہی نہیں رہے۔'' بیہ نے کہا تو وہ فوراً بولا۔

''اب سن رہا ہوں نا، کہو کیا چاہتی ہو؟''

''میں چاہتی ہوں۔ تقریب شاندار ہونی چاہیے اور وہ پرموشن وغیرہ پرانی ہوگئی۔ کوئی

نئی بات ہونی چاہیے۔''

''نئی بات۔'' وہ نئی بات سوچتے ہوئے مسکرایا۔ ''نئی بات کیا ہو سکتی ہے؟''

''آپ کی شادی۔ کیوں اماں؟'' بیہ نے فوراً کہہ کر اماں سے تائید چاہی تو وہ کہنے لگیں۔

''یہ مانے تب نان۔ پتا نہیں کیا سوچے بیٹھا ہے۔''

''ارے اماں! آپ حکم کریں' میں کچھ نہیں سوچے بیٹھا۔'' اس نے کہا۔ تو بیہ خوش ہو کر بولی۔

''سچ بھائی! آپ تیار ہیں ناں۔ میں نے بہت اچھی لڑکی دیکھ رکھی ہے آپ کے لیے۔ بس آج ہی امان اور میں جائیں گے۔''

''ک' کوئی ضرورت نہیں ہے کہیں ادھر ادھر جانے کی۔'' وہ کچھ بوکھلا گیا تھا پھر ایک دم سنبھل کر کہنے لگا ''میرا مطلب ہے' تمہاری پسند بس ایسے ہی ہے۔ میں تمہاری پسند سے شادی نہیں کر سکتا۔''

''تو اپنی پسند بتا دیجئے۔'' بیہ نے اپنے تیئں اسے مشکل میں ڈال دیا تھا لیکن وہ بڑے آرام سے بولا۔

''پسند و ناپسند کو چھوڑو' بس شام میں تیار رہنا۔'' پھر اماں کو دیکھ کر بولا۔ ''اماں! میں آپ کو محسن صاحب کے ہاں لے چلوں گا۔ آپ ان کی بیٹی کے لیئے بات کر لیجئے گا۔ رجاء نام ہے اسکا۔''

''رجاء' کیسی ہے؟'' بیہ نے شوق سے پوچھا۔

''شام میں دیکھ لینا۔'' وہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''دیکھ تو لیں گے پر کچھ اور بھی تو بتاؤ۔'' اماں غالباً رجاء کے بارے میں پوری تفصیل جاننا چاہتی تھیں لیکن اسے آفس سے دیر ہو رہی تھی۔

''اور بتانے کو کچھ نہیں ہے اماں! بس شام میں آپ تیار رہیے گا۔'' وہ عجلت دکھاتا ہوا نکل آیا تھا۔

رجاء سے اس نے گذشتہ شام ہی پرپوز کرنے کے بعد کہہ دیا تھا کہ وہ آج اماں اور بیہ کو لے کر آئے گا اور شاید اس لیے آج وہ آفس نہیں آئی تھی۔ پھر بھی دن میں کتنی بار اس نے سوچا کہ فون کر کے اسے یاد دہانی کرا دے لیکن اتفاق سے موقع ہی نہیں ملا۔ جتنی بار سوچا کوئی نہ کوئی آ گیا یا کسی کام میں الجھ گیا تھا اور شام میں گھر آنے میں بھی دیر ہو گئی۔ پر بیہ کا منہ پھولا ہوا

تھا۔ غالباً اس کا خیال تھا کہ اب وہ اپنا جانا ملتوی کر دے گا لیکن جب اس نے آتے ہی چلنے کے لیے کہا تو وہ خوش ہو گئی اور اس سے زیادہ خوش وہ رجاء کو دیکھ کر ہوئی تھی۔ فوراً سرگوشی میں بولی۔

''بھائی! آپ نے تو کمال کر دیا۔''

''کیا ہوا؟'' وہ سمجھا نہیں۔

''اتنی خوب صورت لڑکی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔'' بیہ نے کہا تو وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔ پھر جب اماں نے بات شروع کی تو رجاء کے اشارے پر وہ بیہ کو لے کر اسکے ساتھ لان میں نکل آیا اور چھوٹتے ہی پوچھنے لگا۔

''آج تم کس خوشی میں آفس نہیں آئیں؟''

''بس یونہی موڈ نہیں بنا۔'' وہ قدرے بے نیازی سے جواب دے کر بیہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''تم پڑھتی ہو؟''

''جی بی اے کر رہی ہوں۔'' بیہ کی نظریں اس پر سے نہیں ہٹ رہی تھیں۔

''گڈ۔ اس کے بعد کیا ارادہ ہے؟''

''ہسٹری میں ایم اے کروں گی۔''

''ہائیں! اس روز تو تم کسی اور سبجیکٹ کا کہہ رہی تھیں۔'' اس نے بیہ کو ٹوکا تو وہ یاد کر کے بولی۔

''جی نہیں' میں نے یہی کہا تھا۔ آپ نے کچھ اور سنا ہو۔''

''اچھا!'' اس نے ذرا سے کندھے اچکائے پھر رجاء سے مخاطب ہو گیا۔

اندر اماں' محسن صاحب اور ان کی بیگم کے سامنے اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے خائف سی تھیں۔ ایک تو سیدھی سادی عورت تھیں دوسرے ان کے ذہن میں اپنی حیثیت وہی چھوٹے گھر والی تھی۔ اس۔ لیے مرعوب ہو کر ڈر بھی رہی تھیں کہ یہ بڑے لوگ ناراض ہو کر پتا نہیں کیا سلوک کریں۔ اگر عطاف علی پہلے سے انہیں بتا دیتا کہ وہ بات کر چکا ہے تب یقیناً وہ مطمئن ہوتیں اور ان کے لیے رجاء کی ممی ڈیڈی کا جواب غیر متوقع بھی نہ ہوتا۔ یعنی ان کے ہامی بھرنے پر وہ بے یقینی کی حالت میں کچھ اور ہونق بن گئی تھیں ان کے لیے واقعی عجیب بات تھی کہ بغیر کسی پس و پیش کے ہامی بھرنے کے ساتھ محسن صاحب کہہ رہے تھے۔

''مجھے عاطف علی نے ہر لحاظ سے متاثر کیا ہے۔ اچھے اخلاق و کردار کے ساتھ محنتی اور

ایماندار بھی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میری بیٹی کا انتخاب لاجواب ہے۔‘‘

اماں بیٹے کی تعریف پر اندر ہی اندر خوش ہوگئیں پھر رجاء کی امی نے رات کے کھانے پر رکنے پر بہت اصرار کیا لیکن عاطف علی نے سہولت سے آئندہ پر ٹال دیا اور اماں کو چلنے کا اشارہ کیا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

’’مجھے آج چچی جان پر بہت پیار آ رہا ہے۔‘‘ گھر آتے ہی بیہ نے اونچی آواز میں کہا تو اماں اور وہ بھی نہیں سمجھا تھا۔

’’چچی جان.. کسی کی بات کر رہی ہوں؟‘‘

’’اپنے انوار چچا کی بیگم‘ بہت اچھی خاتون ہیں‘ اللہ انہیں خوش رکھے۔‘‘

بیہ نے مزید کھلکھلا کر کہا تو اماں اپنی سادگی میں بولیں ’’آمین۔‘‘ پھر پوچھنے لگیں۔

’’یہ اچانک تمہیں ان کا خیال کیسے آ گیا؟‘‘

’’اچانک نہیں اماں! مجھے بہت یاد رہتی ہیں وہ۔ کل چلیں گیان کے ہاں مٹھائی لے کر۔ بڑا احسان ہے ان کا ہم پر۔‘‘

’’کاہے کا احسان؟‘‘ اماں نے اسے دیکھا تو وہ بیہ کو گھورنے لگا لیکن وہ باز نہیں آئی۔

’’رشتہ توڑنے کا۔ ان کے اس احسان کے بدلے ہی تو مجھے اتنی پیاری بھابھی مل رہی ہے۔ کیوں بھائی؟‘‘

’’بکومت اور تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے انوار چچا کے ہاں جانے کی۔‘‘ اس نے قدرے خفگی سے ٹوکا۔

’’کیوں شادی میں نہیں بلائیں گے کیا انہیں اور صرف انہی ہی نہیں۔ ہم سحر آپی کو بھی بلائیں گے۔‘‘ اس کی خفگی پر بیہ منہ پھلا کر بولی تو وہ مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے اپنے کمرے میں آ گیا۔

* * *

پھر شادی کی تیاریوں میں دن بھاگنے لگے تھے۔ اماں بازاروں کے چکر نہیں لگا سکتی تھیں اور نہ بیہ اکیلی جا سکتی تھی۔ یوں آفس سے آنے کے بعد اسے ہی بیہ کو لے کر جانا پڑتا اور یہ کام اسے بہت مشکل لگتا تھا۔ سارا وقت جھنجلایا رہتا اور گھر آ کر بگڑ جاتا۔

’’ایک ایک دکان چھاننے کی کیا تک ہے‘ تم ساری چیزیں ایک ہی جگہ سے نہیں خرید سکتیں۔ بس آئندہ میں تمہیں نہیں لے جاؤں گا۔‘‘

’’پھر کسے لے جائیں گے؟‘‘ بیہ نے شرارت سے پوچھا تھا۔

’’کیا مطلب‘ کیا میں اکیلا نہیں جا سکتا۔ بس اماں! آپ ایک ہی بار لسٹ بنا کر دے دیجئے۔ میں لے آؤں گا سب۔‘‘

’’ہاں لے آئیں گے سب۔ بھابھی اگلے ہی دن اٹھا کر باہر پھینک دیں گی‘ آپ کی لائی ہوئی چیزیں۔‘‘

’’میری پسند اتنی بری نہیں ہے سمجھیں تم۔ اور خبردار جواب کچھ کہا تو۔‘‘ وہ اسے خاموش کرا کے اپنے کمرے میں آ گیا۔

کچھ دنوں سے وہ یونہی بات بے بات جھنجلا رہا تھا۔ آفس میں بھی کوئی بات مزاج کے خلاف ہو جاتی فوراً غصے میں آ جاتا اور اس کا اسے خود بھی احساس تھا لیکن سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ اس وقت بیہ کو ڈانٹ کر کمرے میں آیا تو بس کچھ دیر جھنجلاتا رہا' اس کے بعد افسوس ہونے لگا۔ تو پھر کمرے سے نکل کر اماں اور بیہ کے پاس آ بیٹھا اور دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ جب اماں سونے چلی گئیں تب بیہ کو چھیڑ کر پوچھنے لگا۔

''ہاں تو کل کہاں جانا ہے؟''

''کہیں نہیں۔'' بیہ شاید سمجھی نہیں تھی۔

''کیوں ساری تیاری مکمل ہو گئی۔''

''آپ مارکیٹ جانے کی بات کر رہے ہیں۔ میں اب نہیں جاؤں گی آپ کے ساتھ۔ اماں کو لے جایئے گا یا بھابھی کو۔'' بیہ نے صاف جواب دے کر کہا تو وہ سوچتے ہوئے انداز میں پوچھنے لگا۔

''ہماری کون سی بھابھی ہیں؟''

''ہماری نہیں' صرف میری' ہونے والی بھابھی کی بات کر رہی ہوں۔ آفس سے ان ہی کو ساتھ لے کر چلے جایئے گا۔'' بیہ نے جھنجلا کر کہا تو وہ ہنس پڑا۔

''تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ وہ اب آفس نہیں آتی۔'' اس نے بیہ کی چوٹی کھینچتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی اسے اپنے جھنجلانے اور بات بے بات غصہ کرنے کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔ جو اس کے لیے حیران کن بھی تھی کہ وہ لڑکی رجاء اس کے لیے کتنی اہم ہو گئی تھی۔ چند دنوں سے نظر نہیں آ رہی تھی تو اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس کا دل چاہا' وہ ابھی اس سے بات کرے اور اپنی اس خواہش کو اس نے دبایا نہیں۔ بیہ کو شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں آتے ہی اس کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

''ہیلو۔'' تیسری بیل پر ریسیور اٹھنے کے ساتھ اس کی آواز آئی تو وہ فوراً بولا۔

''سنو' کل سے تمہیں آنا ہے۔''

''ارے۔'' وہ ہنسی۔ ''نہ سلام نہ دعا' خیریت تو ہے؟''

''السلام علیکم۔'' وہ اپنی جلد بازی سے سٹپٹا گیا۔

''وعلیکم السلام۔ اب کہیے کیا بات ہے؟'' اس نے رسان سے پوچھا۔

''بات وہی ہے' تمہیں کل سے آفس آنا ہے۔''

''لیکن کیوں؟'' وہ شاید الجھ گئی تھی۔

''کیونکہ میں تمہیں اپنے ساتھ ساتھ دیکھنا چاہتا ہوں ہر پل۔'' اس کی وضاحت پر دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

''سن رہی ہو رجاء! میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ میں ایک دن تمہیں نہ دیکھوں تو لگتا ہے کچھ کھو گیا ہے اور ادھر اتنے دنوں سے تم غائب ہو تو سوچو' میری کیا حالت ہو گی۔''

''سوچوں گی۔'' ادھر سے محظوظ انداز میں کہا گیا تو وہ چونک کر بولا۔

''کیا۔ کیا سوچو گی؟''

''یہی کہ مجھے آفس آنا چاہیے کہ نہیں۔ بلکہ نہیں۔ میں نہیں آؤں گی۔'' اس نے جیسے اچانک فیصلہ کر کے کہا تھا۔

''کیوں' کیوں نہیں آؤں گی؟''

''کیونکہ بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں' اب پلیز یہ مت پوچھئے گا کہ کس بات میں۔'' اس نے کہا تو وہ شوخی سے بولا۔

''یہ تو ضرور پوچھوں گا' جلدی بتاؤ کس بات میں؟''

''شادی میں۔'' اس نے کہہ کر فوراً فون رکھ دیا تھا' غالباً اس کے ہنسنے کی آواز بھی نہیں سنی تھی۔ وہ دیر تک اپنے آپ مسکراتا رہا اور اسے سوچتے ہوئے اچانک اس کا ذہن کہیں پیچھے بھٹک گیا۔ جب اس کی سحر کے ساتھ منگنی ہوئی تھی۔ اس وقت بھی وہ اتنا بلکہ اس سے زیادہ خوش تھا۔

وہ اس کی اولین محبت جس کی آنکھوں میں خوبصورت خواب سجا کر وہ ان کی تعبیر کے لیے کوشاں تھا۔ اپنی جدوجہد کے وہ دن ایسے نہیں تھے جنہیں وہ بھول جاتا۔ یہ بھولنے والی بات نہیں تھی کہ عین اس وقت جب تعبیر اس کی مٹھی میں تھی' خواب بکھر گئے تھے اور اس کا ذمہ خواہ کوئی ہو' وہ سحر کا الزام دیے بغیر نہیں رہ سکا۔

''اسے مجھ پر' میری محبت پر بھروسا نہیں تھا' جب ہتھیار ڈال دیے۔'' آخر میں وہ اس کی

بے وفائی پر کڑھتا ہوا سویا تھا۔

شاید یہی انسانی فطرت ہے کہ بہت کچھ حاصل کر کے جب مطمئن ہونے کا وقت آتا ہے وہ اپنے لیے کوئی خلش ڈھونڈ لیتا ہے۔ اتنے عرصے میں اسے اب اچانک سحر یاد آنے لگی تھی اور وہ اس سے متنفر ہو کر سوچتا کہ وہ کیا سمجھتی تھی میں اس کے بغیر رہ نہیں سکوں گا یا بقیہ زندگی اس کی یادوں کے سہارے گزار دوں گا‘ ہونہہ۔ یہ اس کی بھول تھی۔ میں اسے بتاؤں گا کہ مجھے کچھ فرق نہیں پڑا۔ اس سے بہتر زندگی میری منتظر ہے اور پھر محض اس پر جتانے کی خاطر وہ خود اپنی شادی کا کارڈ اسے دینے کے بہانے اس کے گھر چل پڑا۔ حالانکہ صبح تک اس کا ایسا کوئی پروگرام نہیں تھا۔

اماں اور بیہ کو بھی اس نے اس کے گھر جانے سے منع کیا تھا اور کہا تھا کہ وہ آفس میں فراز کو کارڈ کے دے گا اور اس لیے کارڈ ساتھ لایا تھا لیکن اب اچانک جانے کیا سمائی کہ اس کے گھر چلا آیا۔ کلفٹن پر واقع اپارٹمنٹ سیکنڈ فلور پر تھا۔ اس نے بیل کا بٹن پش کیا تو دروازہ سحر ہی نے کھولا اور اسے دیکھ کر حیران ہو گئی۔

‘‘آپ!’’

‘‘میں ادھر سے گزر رہا تھا‘ سوچا۔’’ وہ پہلے بات بنانے جا رہا تھا لیکن پھر ایکدم سچ بول گیا۔ ‘‘نہیں میں اسپیشل تمہارے پاس آیا ہوں اندر بلاؤں گی یا یہیں سے لوٹا دو گی؟’’

‘‘آیئے۔’’ وہ سامنے سے ہٹ گئی۔

‘‘تھینک یو۔’’ اس نے اندر داخل ہوتے ہی پوچھا۔ ‘‘فراز نہیں ہیں؟’’

‘‘نہیں۔’’ وہ مختصر جواب دے رہی تھی۔

‘‘آفس سے نہیں آئے ابھی؟’’

‘‘آفس سے تو چھ بجے ہی آ گئے تھے۔ اس کے بعد اپنے کسی کام سے نکلے ہیں۔ آنے والے ہوں گے‘ آپ بیٹھیں۔ میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔’’

اس بار وہ روانی سے بولتی ہوئی اسے ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر دروازے سے واپس پلٹ گئی تو وہ منع کرنے کے لیے بس اس کے پیچھے دیکھ کر رہ گیا‘ پھر ڈرائنگ روم کا جائزہ لیتا ہوا بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد ہی وہ چائے لے کر آ گئی اور اس کے سامنے ٹیبل پر رکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

‘‘اماں اور بیہ کیسی ہیں؟’’

‘‘ٹھیک ہیں۔ آنا چاہ رہی تھیں دونوں لیکن میں نے منع کر دیا۔’’ اس نے صاف گوئی سے کہہ کر چائے کا کپ اٹھا لیا تو وہ کچھ ناگواری سے بولی۔

‘‘کیوں؟’’

‘‘جب تم نے کوئی تعلق نہیں رکھا تو پھر وہ کیوں آئیں۔’’

‘‘آپ بھی تو آئے ہیں۔’’ اس نے فوراً کہا تو وہ چونک کر دیکھنے لگا۔

وہ کہیں سے بھی خائف نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے برعکس بڑے اعتماد سے بیٹھی تھی۔ تب وہ جیب سے کارڈ نکال کر اس کے سامنے ڈالتے ہوئے بولا۔

‘‘میں کسی پرانے تعلق کے حوالے سے نہیں آیا۔ تم بہرحال میری کزن ہو اور یہ رشتہ اٹوٹ ہے۔ جہاں خاندان کے اور لوگ‘ وہاں تم بھی۔’’

‘‘اس وضاحت کی ضرورت نہیں تھی۔’’ اس نے کہہ کر کارڈ اٹھا لیا پھر اس پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔

‘‘رجاء حسن علی۔ اس لڑکی تک میری اسپیشل مبارک باد پہنچا دیجیے گا۔’’

‘‘کیوں؟ میرا مطلب ہے میں کیوں پہنچاؤں تم خود......’’

‘‘نہیں عاطف علی! میں آپ کی شادی میں نہیں آؤں گی اور اس کے بعد بھی میں آپ سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی۔’’ اس نے ٹوک کر کہا تو وہ فوراً بولا۔

‘‘ڈرتی ہو کہ کہیں فراز پر تمہارا ماضی نہ کھل جائے۔’’

‘‘کیا ہے میرا ماضی‘ یہ کہ میں آپ کی منگیتر تھی۔ سب جانتے ہیں فراز‘ میں نے خود انہیں بتایا ہے۔’’ وہ اس کی بات پر سلگ گئی تھی۔

‘‘اچھا پھر نہ آنے کی وجہ؟’’ وہ اس کے سلگنے پر خوش ہوا تو وہ دکھ سے بولی۔

‘‘وجہ بتاؤں گی تو آپ ہرٹ ہوں گے۔’’

‘‘میں ہرٹ ہوں گا۔’’ اس نے یوں کہا جیسے یہ تو ممکن ہی نہیں ہے اور وہ اسے تاسف سے دیکھنے لگی۔ جانتی تھی کہ اس کا یہ زعم اس وقت تک ہے جب تک وہ انجان ہے۔

‘‘کاش تم ہمیشہ انجان رہو۔’’ وہ سوچتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور ٹرے اٹھا کر جانے لگی تو وہ بول پڑا۔

‘‘ٹھیک ہے، تم نہ بتاؤ، میں فراز سے پوچھ لوں گا۔’’

‘‘کیا۔ کیا پوچھ لیں گے؟’’ اس نے ٹرے واپس رکھ دی۔

‘‘وہی بات جو تمہارے خیال میں مجھے ہرٹ کرنے والی ہے۔’’

اس نے بظاہر آرام سے کہتے ہوئے اپنی نشست کا انداز یوں بدلا جیسے فراز کے آنے تک یہیں بیٹھا رہے گا اور وہ واقعی پریشان ہو گئی۔ اس کے رکنے پر نہیں بلکہ یہ سوچ کر کہ پتا نہیں فراز کس انداز سے اور کیا کیا بتائے گا۔ جیسے اس کے سامنے کہہ رہا تھا۔

‘‘یہ سارا کھیل رجاء کا ہے۔ کمال کر دیا اس لڑکی نے۔ آخر ہے ناں بزنس مین کی بیٹی، گھاٹے کا سودا کیوں کرے گی۔’’

‘‘سنو، تمہیں اگر میرے یہاں بیٹھنے پر اعتراض ہو تو بتا دو۔ میں باہر کہیں رک کر فراز کا انتظار کر لوں گا۔’’

گویا اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ اپنے ہرٹ ہونے والی بات معلوم کر کے ہی جائے گا۔ جب ہی اس پر جتا کر بولا تو وہ عاجز سی ہو کر رو پڑی۔

‘‘مت ایسے کرو عاطف! خدا کے لیے۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم انجان رہو۔ کسی کی بات نہ سنو۔ میری نہ فراز کی۔’’

وہ جو پہلے ٹھٹھکا تھا، اب الجھ بھی گیا تھا۔ کچھ دیر اسے آنسو صاف کرتے ہوئے دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

‘‘میں پتا نہیں کیا سوچ کر آیا تھا، تم نے مجھے الجھا دیا اور تم جانتی ہو اس الجھن کے ساتھ میں چین سے نہیں رہ سکوں گا۔ بہتر یہ ہے کہ تم خود بتا دو۔ کون سی بات مجھے ہرٹ کرنے والی ہے۔’’

‘‘کوئی بات نہیں، میں نے تو بس یونہی کہہ دیا اور تم سیریس ہو گئے۔’’

وہ سنبھل کر بولی پھر ٹیبل پر سے کارڈ اٹھا کر نظریں اس پر جما دیں تو وہ پوچھنے لگا۔

‘‘شادی میں آؤ گی؟’’ وہ جانے کیا سوچنے لگی تھی، اس لیے اس کی بات سنی ہی نہیں۔ جواب کیا دیتی اور وہ جانے کیا سمجھا، قدرے توقف سے کہنے لگا۔

‘‘جب میں تم سے کوئی گلہ نہیں کر رہا تو پھر تم کیوں کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتیں۔ میری شادی میں بے شک نہ آؤ لیکن اس کے بعد۔’’

‘‘اس کے بعد تمہاری بیوی نہیں چاہے گی، اس لیے میں پہلے ہی منع کر رہی ہوں۔’’ وہ کارڈ ٹیبل پر پھینک کر سیدھی ہو بیٹھی۔

‘‘رجاء کوئی عام سی لڑکی نہیں ہے۔ وہ ہائی کلاس سے تعلق رکھنے والی بہت کھلے دل و دماغ کی مالک ہے۔ پتا ہے، اس نے مجھے کب سہارا دیا جب تمہاری بے وفائی کا زخم مجھے زندگی سے دور لیے جا رہا تھا۔’’

‘‘نہیں، یہ تمہاری بھول ہے۔ اس نے اس وقت تمہیں اپنے لیے منتخب کر لیا تھا جب تم اس سے پہلی بار ملے تھے۔’’

وہ جو بات اس کے بہت اصرار پر بھی نہیں بتانا چاہتی تھی، وہ ایکدم کہہ گئی۔ شاید بے وفائی کا الزام سہا نہیں گیا تھا جو پھر رکی نہیں بولتی چلی گئی تھی۔

وہ سحر پر جتانے گیا تھا کہ اس کے شادی کر لینے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑا۔ مزید اس سے بہتر زندگی اس کی منتظر ہے لیکن آگے اس نے اس بہتر زندگی کی حقیقت بتا کر اسے چکرا دیا تھا اور وہ ابھی تک اپنی حیثیت کا تعین نہیں کر پا رہا تھا۔

"یہ اتنا بڑا بنگلہ، گاڑی، فرم میں ایم ڈی کی پوسٹ، سب رجاء کی مہربانیوں کی مرہون منت ہے۔ خود وہ کچھ بھی نہیں۔ محض ایک کھلونا جسے رجاء نے دیکھا، پسند کیا اور خرید لیا۔"

"کیا واقعی میری حیثیت ایک کھلونے کی سی ہے۔"

اس کا ذہن چٹخنے لگا تھا اور دل یہ چاہ رہا تھا ابھی رجاء کے پاس جا کر اس سے پوچھے کہ اس نے ایسا کیوں کیا لیکن سحر کی دی ہوئی قسم سے مجبور تھا اور اس پر غصہ بھی آ رہا تھا کہ اس نے کیوں اسے پابند کیا۔ واقعی حد کر دی تھی اس نے۔ آخر میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر عاجزی سے روئی تھی۔

"بس عاطف! سب بھول جاؤ، تمہیں میری قسم۔ رجاء پر کچھ ظاہر مت کرنا۔"

"نہیں، میں ایک بار اس سے پوچھوں گا ضرور کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔"

"کوئی فائدہ نہیں، الٹا تمہاری اپنی زندگی تلخ ہوگی اور میں ایسا نہیں چاہتی۔ بس تم مجھ سے وعدہ کرو۔ کسی سے کچھ نہیں کہو گے۔"

اور وہ اس کے آنسوؤں کے سامنے ہتھیار ڈال گیا تھا جس پر اب اسے غصہ آ رہا تھا۔ کتنی دیر کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہلتا رہا پھر کہیں باہر نکلنے کی سوچ رہا تھا کہ فون کی بیل نے توجہ کھینچ لی۔

"یس۔" اس نے خود کو بیڈ پر گرا کر ریسیور اٹھایا تھا۔

"لگتا ہے، بہت تھک گئے ہیں۔" دوسری طرف رجاء تھی اس کے لہجے سے قیاس کر کے بولی۔

"ہاں، میں واقعی تھک گیا ہوں۔" وہ مروتاً بھی اس کے فون کرنے پر خوشی کا اظہار نہیں کر سکا، اس کے برعکس اکھڑے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

"خیریت، آفس میں کام زیادہ تھا یا گھر میں۔"

"آفس تو میں پچھلے تین دنوں سے نہیں جا رہا اور حیرت ہے کہ تمہیں معلوم نہیں ہے۔" اس نے جتا کر کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

"اس کا مطلب ہے، مجھے آپ کی ہر پل کی خبر رکھنی چاہیئے۔ ہے ناں۔"

"کوئی ضروری نہیں ہے۔"

"اچھا یہ بتائیں آفس کیوں نہیں جا رہے؟"

"تمہاری مہربانیوں نے بہت ریلکیس کر دیا ہے مجھے۔" وہ طنز کرنے سے باز نہیں رہ سکا اور ادھر وہ پتا نہیں کس موڈ میں تھی، سمجھی ہی نہیں۔

"کیا مطلب، میری کون سی مہربانی؟"

"کوئی ایک مہربانی نہیں ہے۔ اتنے کم عرصے میں میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ اپنی

محنت کے بل بوتے پر تو میں اتنی جلدی اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا تھا یہ سب تمہاری مہربانی ہے۔''

اس نے کہا تو وہ فوراً رک کر بولی۔

''جی نہیں' میری کوئی مہربانی نہیں ہے۔ آپ فضول میں یہ سب مت سوچیں۔ کوئی اور بات کریں۔''

''اور کیا بات؟'' وہ خاصا بدگمان ہو رہا تھا۔

''بیہ کیسی ہے؟''

''ٹھیک ہے۔''

''اور اماں؟''

''وہ بھی ٹھیک ہیں۔'' اس جواب کے بعد دوسری طرف خاموشی چھا گئی تو اس نے خدا حافظ کہے بغیر فون رکھ دیا اور اٹھ کر کمرے سے باہر آیا تو آگے اماں دلہن کے جوڑے بیہ سے پیک کروا رہی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگیں۔

''پچیس جوڑے کم تو نہیں ہیں؟''

''کم' بہت زیادہ ہیں اماں!'' اس نے حیرت کے ساتھ کہا تو بیہ فوراً بولی۔

''کوئی نہیں' مجھے تو کم لگ رہے ہیں۔''

''بکو مت۔ یہ بھی ایسے ہی رکھے رہیں گے۔'' اس نے بیہ کو ڈانٹ دیا پھر اماں کے پاس بیٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

''اماں! میں سوچ رہا ہوں' شادی اپنے گھر میں ہونی چاہیے اور دلہن بھی وہیں جائے۔''

''تم نے تو میرے دل کی بات کہہ دی۔ پر بیٹا! وہ بڑے لوگ ہیں' پتا نہیں بیٹی کو وہاں بھیجیں گے کہ نہیں۔'' اماں نے اپنی خواہش کے ساتھ خدشہ بھی بیان کیا۔

''نہ بھیجنے کا تو کوئی سوال نہیں اماں! بس آپ جو ضرور سامان ساتھ لے جانا ہو پیک کروا دیں۔ میں ابھی جا کر محسن صاحب سے بات کرتا ہوں۔''

وہ اچانک ایک فیصلہ کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ اماں نے کہا بھی صبح چلے جانا لیکن وہ ان سنی کرتا نکل آیا تھا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

رجاء کے ہاں اس وقت رات کا کھانا کھایا جا رہا تھا۔ محسن صاحب نے اسے بہت اصرار سے بلایا لیکن وہ سہولت سے منع کر کے لاؤنج میں ہی بیٹھ گیا اور ٹیبل سے اخبار اٹھا کر دیکھنے لگا' چند لمحے گزرے تھے کہ رجاء آ گئی۔

"آپ کو آنا تھا تو بتایا کیوں نہیں' آئی مین ابھی فون پر تو آپ نے آنے کا نہیں کہا تھا۔"

"کہنا ضروری تھا کیا؟" وہ اخبار سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھنے لگا۔ ہلکے رنگ کے سادہ سے سوٹ میں بھی وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی پھر بھی اس کے اندر کوئی ہلچل نہیں مچی۔

"ضروری تھا یا نہیں' یہ بتائیں' کیا پئیں گے؟" وہ غالباً بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"کچھ نہیں۔" وہ نروٹھے پن سے کہہ کر پھر اخبار دیکھنے لگا تو قدرے توقف سے وہ اسے پکار کر پوچھنے لگی۔

"عاطف! آپ پریشان ہیں یا مجھ سے ناراض؟"

"تمہیں ایسا کیوں لگ رہا ہے؟"

اس نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے کہا' تب ہی محسن صاحب آ گئے تو انہیں دیکھ کر

جہاں وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا وہاں رجاء اسے جانے کیا اشارہ کرتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"بیٹھو بیٹا! بیٹھو۔" محسن صاحب نے بیٹھتے ہوئے کہا تو وہ جو اس کا اشارہ سمجھنے میں لگا تھا۔ چونک کر بیٹھ گیا۔

"اور تمہاری والدہ ٹھیک ہیں۔"

"جی' سلام کہہ رہی تھیں سب کو۔" وہ سنبھلتے ہوئے بولا۔

"وعلیکم السلام' لے آتے انہیں بھی۔" محسن صاحب نے کہا تو وہ فوراً اصل بات کی طرف آ گیا۔

"وہ پیکنگ میں مصروف تھیں۔ میں آپ کو یہی بتانے آیا تھا کہ میں کچھ عرصے کے لیے اپنے گھر جا رہا ہوں۔"

"اپنے گھر؟" محسن صاحب نہ سمجھنے والے انداز میں دیکھنے لگے۔

"جی سر! میری والدہ تو اپنا گھر چھوڑنا ہی نہیں چاہتی تھیں' بہرحال اب ان کی خواہش ہے کہ میری شادی وہیں سے ہو اور میں ان کی خواہش رد نہیں کر سکتا۔" اس نے وضاحت کرتے ہوئے ساری بات اماں پر ڈالی۔

"اچھی بات ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم اپنی والدہ کی خواہش کا احترام کر رہے ہو۔"

محسن صاحب نے کہا تو وہ حیران ہوا کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہ ضرور اعتراض کریں گے' لیکن وہ تو الٹا اسے سراہ رہے تھے۔ پھر وہ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا' اس کے بعد اجازت لے کر چلا آیا اور اگلے روز پہلے اس نے اماں اور ربیعہ کو پرانے گھر چھوڑا' اس کے بعد آفس گیا تو اس کی تین دن کی غیر حاضری سے بہت کام جمع ہو گیا تھا۔ جب ہی سارا دن اسے سر کھجانے کی فرصت نہیں ملی۔ آف ٹائم کے بعد بھی وہ بہت مصروف تھا کہ فراز نے آ کر وقت کا احساس دلایا۔

"سر! آٹھ بج گئے ہیں۔"

"آٹھ۔" اس نے ریسٹ واچ پر نظر ڈالی پھر گہری سانس کھینچتا ہوا بولا۔ "پتا ہی نہیں چلا۔ آپ کہاں تھے؟"

’’میں سائٹ پر تھا' یہ سینٹری کے سامان کی لسٹ لایا ہوں۔ آپ دیکھ لیں۔‘‘

فراز نے ایک پرچا اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ تو وہ ایک نظر اس پر ڈال کر بولا

’’ٹھیک ہے' صبح پہنچا دیں۔‘‘ فراز نے پرچہ اٹھا لیا اور اسے جیب میں رکھ کر پوچھنے لگا

’’سر! آپ تین دن سے نہیں آ رہے تھے' طبیعت تو ٹھیک تھی؟‘‘

’’ہاں' بس چھٹی کا موڈ تھا۔ آپ بیٹھیں' چائے منگواتا ہوں۔‘‘ اس نے انٹرکام کا ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔

’’تھینک یو۔‘‘ فراز بیٹھ گیا اور جیسے ہی وہ ریسیور رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوا' کہنے لگا ’’سر! آپ گھر آئے تھے افسوس میں اس وقت موجود نہیں تھا۔‘‘

’’کوئی بات نہیں' میں پھر آ‌ؤں گا۔‘‘ وہ قصداً مسکرایا۔

’’ضرور سر! آپ کا اپنا گھر ہے۔‘‘

فراز نے کہا تو اس نے بس ذرا سا سر ہلا دیا۔ کیونکہ اچانک خیال آیا تھا کہ رجاء نے کے ساتھ جو کچھ کیا' اس سے فراز بھی واقف ہے اور اس کے سامنے اسے سر' سر کہہ کر خواہ کتنی عزت دے پیٹھ پیچھے پتا نہیں کیا کیا کہتا ہوگا اور پھر اس کے سامنے بیٹھ نہیں سکا فوراً ایک کا بہانہ کر کے اٹھ گیا تھا۔

* * *

کمرہ خالی ہوتے ہی اس نے سکون کا سانس لیا پھر بیک سے ٹیک لگا کر کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔ وہی پرانا بیڈ جو ہمیشہ سے عاطف علی کے استعمال میں رہا ہوگا' البتہ اس پر بچھی چادر نئی تھی۔ ایک طرف دو کرسیاں اور ٹیبل جس پر رکھے گل دستے میں تازہ گلاب سجائے گئے تھے۔ اس کے علاوہ اور کہیں اصلی کیا نقلی پھول بھی نہیں تھے۔ کتنی دیر تک اسے یقین نہیں آیا کہ یہ دلہن کا کمرہ ہے۔ ایسے کمرے تو اس کے ہاں ملازموں کے پاس تھے۔ وہ جتنی اپنی محبت پا لینے کے نشے میں چور تھی۔ اب اسی قدر اس کا دل بجھنے لگا تھا اور بالکل غیر ارادی طور پر وہ اپنی کلائیوں میں سجے گجروں سے پتیاں نوچ نوچ کر اچھال رہی تھی۔ یہ یقیناً اس کا اندرونی اضطراب تھا جو اسے بے کل کر رہا تھا۔ تب ہی دروازہ کھلنے پر وہ ایسے ہی بلا ارادہ ادھر دیکھنے لگی۔

’’السلام علیکم۔‘‘ عاطف علی کے چہرے پر سنجیدگی تھی لیکن زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکی۔ کیونکہ وہ ہوش اڑا دینے کی حد تک حسین لگ رہی تھی اور وہ اس پر سارے شرعی اختیار حاصل کر چکا تھا۔

’’میرے غریب کدے کو تمہارے وجود نے حسین تر بنا دیا ہے۔‘‘ وہ اس کے پاس بیٹھا

ہوا بولا۔ ’’لیکن تمہیں شاید میرا غریب خانہ اچھا نہیں لگ رہا۔‘‘

’’آپ کے آنے سے پہلے واقعی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔‘‘ وہ صاف گوئی سے بولی۔

’’اور اب......؟‘‘

’’اب پتا نہیں۔‘‘ اس کے ہونٹوں پر شرمیلی مسکان سج گئی۔

’’مجھے پتا ہے لیکن بتاؤں گا نہیں۔ البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ تم بہت ظالم ہو۔‘‘ عاطف علی نے اس کا ہاتھ تھام کر زور سے دبایا پھر اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔

* * *

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

اگلے روز ولیمے کی تقریب میں وہ سب کی نظروں میں رشک دیکھ رہی تھی اور تعریفی جملے بھی اس کی سماعتوں سے ٹکرا رہے تھے۔ پھر بھی بیہ اس کے کان میں مسلسل سرگوشی کیے جا رہی تھی۔ فلاں یہ کہہ رہا ہے فلاں وہ کہہ رہا ہے۔

’’اللہ میرے بھیا‘ بھابھی کو نظر نہ لگ جائے۔ گھر جاتے ہی اماں سے کہوں گی سب سے پہلے آپ دونوں کی نظر اتاریں گی۔ ارے یہ تو سحر آپی ہیں‘ میں انہیں لے کر آتی ہوں۔‘‘

بیہ بولتی ہوئی اٹھ کر چلی گئی تو وہ جو پہلے محظوظ ہو رہی تھی۔ اس کی آخری بات پر متوحش سی ہو گئی اور سر بھی جھکا لیا لیکن دھیان بیہ ہی کی طرف تھا جو کچھ دیر بعد سحر کو لے کر آ گئی اور اس کا چہرہ اونچا کرتے ہوئے بولی۔

’’سحر آپی دیکھیں بھابھی کتنی پیاری ہیں۔‘‘

’’ہوں۔ السلام علیکم۔‘‘ سحر نے بیہ کی بات پر سر ہلا کر اسے سلام کیا تو وہ بس ایک نظر اسے دیکھ سکی پھر فوراً سر جھکا لیا۔

’’بیٹھو سحر!‘‘ عاطف علی نے اپنی جگہ سحر کو بیٹھا کر پوچھا۔ ’’فراز نہیں آئے؟‘‘

’’ان ہی کے ساتھ آئی ہوں۔‘‘ سحر نے جواب دینے کے ساتھ اس طرف دیکھا جہاں

فراز کھڑا تھا۔

”وہ ہیں فراز بھائی۔ اچھے ہیں۔“ بیہ پہلی بار فراز کو دیکھ رہی تھی اور یوں بولی جیسے میرے بھائی سے اچھے نہیں ہیں۔

”جاؤ۔ انہیں بھی یہاں لے آؤ۔“ عاطف علی بیہ کو بھیج کر اس کے پاس بیٹھا تو وہ دھیرے سے پکار کر بولی۔

”عاطف! میں تھک گئی ہوں۔ میری گردن مین درد ہونے لگا ہے۔“

”اتنا جھکنے کی کیا ضرورت ہے۔ ریلکس ہو کر بیٹھو۔“

وہ کہہ کر دوسری طرف متوجہ ہو گیا تو وہ جز بز سی ہو کر رہ گئی۔ پھر ذرا سی پلکیں اٹھا کر ممی اور آپی کو تلاش کرنے لگی۔ اتنے مہمانوں میں پتا نہیں وہ کہاں تھیں۔ اس کی نظریں جہاں تک گئیں کوئی اپنا نظر نہیں آیا اور جو سب سے زیادہ اپنا ہو گیا تھا' جانے کیوں وہ بھی اجنبی سا لگ رہا تھا۔ بیہ' سحر اور فراز کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اسے یکسر نظر انداز کر رہا تھا۔ اگر کوئی عام سی تقریب ہوتی تو وہ بہت خاموشی سے ان کے درمیان سے اٹھ کر چلی جاتی۔ ابھی بھی اس کا دل یہی چاہ رہا تھا لیکن بہت مجبور تھی۔ اپنی بے بسی پر اندر ہی اندر کڑھ رہی تھی کہ اماں کی آواز پر فوراً سر اونچا کر کے انہیں دیکھنے لگی۔

”کھانا لگ گیا ہے۔ بیہ! جاؤ مہمانوں کو لے جاؤ۔
عاطف! تم بھی جاؤ۔“

اماں ان سب کو بھیج کر اس کے پاس بیٹھ گئیں اور پیار سے اس کی ٹھوڑی چھو کر پوچھنے لگیں۔

”تمہیں بھی بھوک لگی ہو گی؟“ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”گھر جا کر کھاؤ گی؟“

”جی' کب جائیں گے گھر؟“ اس نے جواب کے ساتھ پوچھا تو اماں سمجھ کر بولیں۔

”تھک گئی ہو۔ بس ابھی کھانے کے بعد چلیں گے اور پتا نہیں عاطف کون سے گھر لے جاتا ہے۔ تمہاری امی بھی پوچھ رہی تھیں۔ تم سے کچھ کہا عاطف نے؟“

”جی نہیں۔“

”اچھا میں پوچھتی ہوں اس سے۔“

اماں اٹھ کر چلی گئیں تو ان کے پیچھے دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ پتا نہیں کیوں اسے سب عجیب سا لگ رہا تھا۔ خود اپنی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا محسوس کر رہی ہے۔ اس مقام پر اسے خوش ہونا چاہیے تھا لیکن وہ خوش نہیں ہو پا رہی تھی شاید اس لیے کہ عاطف علی کی محبت میں بے ساختگی اور بے اختیاری نہیں تھی۔ رات سے اب تک کسی ایک لمحے میں ہی اس نے بے ساختہ اظہار نہیں کیا تھا۔ جو دل میں ہلچل مچانے کا باعث ہوتا۔ اس کے برعکس اس کا محتاط انداز تھا۔ جب ہی اس کے اندر خاموشی چھائی تھی اور کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

گھر آتے ہی اس نے پہلے کپڑے تبدیل کیے پھر منہ ہاتھ دھو کر کمرے میں آئی تو بیہ کھانے کی ٹرے لیے موجود تھی۔

”چلیں بھابھی! پہلے کھانا کھا لیں۔“

”عاطف کہاں ہیں؟“ اس نے پوچھا۔

”ادھر اماں کے پاس بیٹھے ہیں۔ آپ ان کا انتظار نہیں کریں وہ ہال میں کھانا کھا چکے ہیں۔“

بیہ نے جواب کے ساتھ مطلع کیا تو اس نے بمشکل خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا اور اس کی طرف سے پیٹھ موڑ کر اپنے اتارے ہوئے کپڑے تہہ کرنے لگی' تو بیہ آگے آ کر بولی۔

”لایئے بھابھی! میں تہہ کر دوں' آپ کھانا کھا لیں۔“

”وہ کپڑے چھوڑ کر چیئر پر آ بیٹھی لیکن کھانا کھانے کو بالکل دل نہیں چاہا۔ بس چپ چاپ ٹرے کو دیکھے گئی۔ ادھر بیہ پتا نہیں کیا کیا بولے جا رہی تھی اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ اپنا سوچنے میں لگی ہوئی تھی کہ عاطف علی اسے یہاں اس چھوٹے سے گھر میں کیوں لایا ہے مزید ایسا رویہ جیسے وہ زبردستی اس کے سر منڈھی گئی ہو۔

”نہین۔ یہ زبردستی کا سودا نہیں ہے۔ جب تک عاطف علی نے خود میری طرف پیش رفت نہیں کی میں نے کچھ نہیں کہا تھا۔ پھر وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ کہیں اسے یہ تو معلوم نہیں ہو گیا کہ سحر اور فراز۔“

"اف نہیں۔" اسے جھرجھری سی آ گئی اس کے ساتھ ہی سوچوں کا تسلسل ٹوٹ گیا تو اس نے دیکھا سامنے بیڈ پر عاطف علی اس کی طرف پیٹھ موڑے بیٹھا تھا۔ اس کا دل ایک بار بڑی زور سے دھڑکا لیکن پھر فوراً سنبھل کر اٹھی اور اس کے سامنے آ کر بولی۔

"عاطف! میں کب سے انتظار کر رہی ہوں۔ کھانا نہیں کھائیں گے؟"

"نہیں' میرا مطلب ہے۔ میں کھا چکا ہوں۔"

وہ سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا پھر اسے دیکھ کر بولا۔ "تم کھا لو اور پلیز' آئندہ کھانے پر میرا انتظار مت کرنا۔"

"ٹھیک ہے' لیکن ابھی تو آپ کو خیال کرنا چاہیے تھا۔"

"ہاں' یہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ آئی ایم سوری۔"

وہ سہولت سے معذرت کرتا ہوا اپنے کپڑے لے کر کمرے سے نکل گیا تو وہ اس کے اجنبی انداز پر الجھ گئی۔

کچھ دیر بعد وہ چینج کر کے واپس آیا تو اسے اسی طرح کھڑے دیکھ کر کچھ تعجب سے بولا۔

"تم کھانا نہیں کھا رہیں۔"

"نہیں' اب بھوک نہیں ہے۔"

وہ روٹھے لہجے میں کہہ کر اپنی جگہ پر لیٹ گئی اور آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر کوشش کے باوجود کٹھور پن کا مظاہرہ نہیں کر سکا اور اسے زبردستی اٹھا کر کھانا کھلایا۔ اس کے بعد خود اسے چائے کی طلب ہونے لگی۔ لیکن یہاں کوئی ملازم نہیں تھا۔ اماں اور بیہ سو چکی تھیں اور اسے ایک رات کی دلہن سے کہنا اچھا نہیں لگا تو خود ہی جا کر چائے بنا لایا جس پر وہ حیرت بھری ہنسی کے ساتھ بولی۔

"آپ چائے بھی بنا لیتے ہیں۔"

"ہاں' لیکن مجبوری میں جب کوئی بنانے والا نہ ہو۔" وہ ایک کپ اسے تھما کر بولا۔

"ابھی تو ایسی مجبوری نہیں تھی۔ بنانے والی وجود ہے۔"

"تم......؟"

"کیوں میں چائے نہیں بنا سکتی۔ جناب مجھے سب کام آتے ہیں۔ جھاڑو پونچھا تک کر لیتی ہوں۔" اس نے اترا کر بتایا تو وہ تعجب سے بھویں اچکا کر بولا۔

"اچھا' میں تو سمجھا تھا۔ تم صرف آفس ورک جانتی ہو۔"

"آفس تو میں نے ڈیڈی کی وجہ سے جوائن کیا تھا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ انہیں بیٹے کی کمی کا احساس ہو۔"

"اب نہیں ہوگا کیا؟" وہ فوراً بولا تھا۔

"اب آپ جو ہیں۔" وہ بھی بے ساختہ جواب دے گئی تو وہ گہری سانس کھینچتا ہوا بڑبڑایا۔

"ہاں' میں جو ہوں الو کا پٹھا۔"

پھر اسے دیکھ کر قصداً مسکرایا تھا۔ یونہی کتنے دن گزر گئے۔ عاطف علی دوبارہ بنگلے میں جانے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا اور وہ گو کہ چھوٹے گھر میں گھٹن محسوس کرنے لگی تھی۔ لیکن اظہار نہیں کر رہی تھی کیونکہ عاطف کا مزاج سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کبھی بہت مہربان اور کبھی اکھڑا اکھڑا سا بالکل اجنبی بن جاتا تو حقیقتاً اس کی جان پر بن آتی تھی اور اس وقت وہ بالکل عام سی لڑکی بن جاتی۔ اس کے آگے پیچھے پھرتی اور یہ اس کی محبت تھی جس نے اسے اس کی گزشتہ حیثیت بھلا دی تھی یا قصداً یاد نہیں رکھتی تھی۔ بس یہ چاہتی تھی کہ جس طرح وہ پہلی نظر میں اس کی اسیر ہو کر اپنا آپ بھول گئی تھی اس طرح وہ بھی اس کا ہو جائے یوں کہ اسے اپنے دل پر حکمرانی بخش دے۔ گو کہ شادی کے بندھن میں بندھ کر وہ اس کا ہو چکا تھا لیکن اس کا دل شاید اس کے اپنے بس میں نہیں تھا' جب ہی تو اس کے اظہار میں بے ساختگی نہیں تھی۔ اس کے برعکس کبھی اس کا دل رکھنے کی خاطر کبھی اپنے تلخ رویے کی تلافی کے طور پر لگاوٹ کا مظاہرہ کرتا تھا جس

سے وہ بظاہر خوش لیکن اندر سے بے چین ہو جاتی تھی البتہ مایوس نہیں تھی کیونکہ اسے اپنی محبت پر بھروسا اور یقین تھا۔

یہ تو اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ عاطف علی ساری بات جان کر متنفر ہوا ہے اور اس سے ہی نہیں اپنی تقدیر سے بھی شاکی ہے۔ جس نے اسے اس لڑکی کے ہاتھوں کھلونا بنا دیا ہے۔ وہ بڑا آدمی ضرور بنانا چاہتا تھا لیکن اس طرح نہیں کہ اپنی شناخت ہی کھو دے۔ اسے اب دکھ اس بات کا نہیں تھا کہ اس نے سحر کو کھو دیا بلکہ اپنی ہستی کا غرور اور عزت نفس نیلام ہو جانے کا دکھ تھا۔

ایک امیر زادی نے اسے دیکھا اور پسند کر کے خرید لیا۔ یہ خیال اس کے لیے انتہائی تکلیف دہ تھا اور اس کے ساتھ مشکل یہ تھی کہ وہ اسے چاہنے لگا تھا جب ہی متضاد کیفیات میں گھرا رہتا۔ کبھی اکھڑا اکھڑا اور کبھی مہربان اور اسے دیکھ کر تو حیران ہی ہوتا تھا کہ وہ اتنی آسائشوں کی پروردہ اس چھوٹے سے گھر میں اتنے سکون سے کیسے رہ رہی ہے۔

ایک مہینہ ہو گیا تھا اور اس نے کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا نہ ہی اس کے ڈیڈی نے پوچھا تھا کہ وہ بنگلے میں کب شفٹ ہو رہا ہے البتہ اس کی ممی اور آپی ہی جب آتیں ٹوکتی تھیں اور وہ ہنس کر کہتی۔

''یہ بھی تو اپنا گھر ہے اور مجھے یہاں اچھا لگ رہا ہے۔''

اب پتا نہیں وہ سچ کہتی تھی یا جھوٹ۔ وہ بہرحال یقین نہیں کر رہا تھا اس کے برعکس اسے لگتا تھا جیسے وہ یہاں بھی اسے بے وقوف بنا رہی ہے یا اس کا کوئی مقصد ضرور پوشیدہ ہے اور اس مقصد کو سوچتے ہوئے وہ خود الجھ جاتا تو اس سے بے تکے سوال شروع کر دیتا۔

''تم اس شادی سے خوش ہو؟''

''بہت۔'' وہ کھلکھلا کر کہتی۔

''کیوں؟ میرا مطلب ہے' اتنے بڑے گھر سے اس چھوٹے گھر میں آ کر تمہیں عجیب سا نہیں لگتا؟''

''بالکل نہیں۔ بس ایک دو چیزوں کی پرابلم ہے۔ باقی تو سب ٹھیک ہے یہاں۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''کن چیزوں کی پرابلم ہے؟''

''ایک تو اٹیچ باتھ نہیں ہے' دوسرے ٹیلی فون۔ ویسے آپ ٹیلی فون تو لگوا سکتے ہیں۔'' اس نے کہا تو وہ پرسوچ انداز میں سر ہلا کر بولا۔

''ہوں' بہت جلد لگ جائے گا اور کچھ۔''

''اور آپ۔''

''کیا مطلب میں پرابلم ہوں؟'' وہ چونک کر بولا تو وہ زور سے ہنسی تھی۔

پھر وہ پوچھتا رہ گیا لیکن اس نے بتا کے نہیں دیا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی۔

یونہی اکثر وہ اسے گھیرنے کی کوشش کرتا اور پھر مایوس ہو کر جھنجلا جاتا تھا۔ اس روز جبکہ وہ اپنے ڈیڈی کے گھر گئی ہوئی تھی' وہ اماں سے اس کے بارے میں پوچھنے بیٹھ گیا کہ رجاء ان کے ساتھ ٹھیک رہتی ہے۔ گھر کے کاموں میں بیہ کا ہاتھ بٹاتی ہے کہ نہیں اور اپنی بڑائی کا رعب تو نہیں جماتی وغیرہ وغیرہ اور جواب میں اماں سے پہلے بیہ بول پڑی۔

''بڑائی کا رعب اور بھابھی۔ اللہ نہیں' بھائی! وہ تو لگتا ہے ہمیشہ سے اسی گھر میں رہ رہی ہوں اور پتا ہے' مجھ سے زیادہ کام کرتی ہیں۔ جس پر اماں سارا وقت مجھے ڈانٹتی رہتی ہیں کہ میں بھابھی کا ہاتھ نہیں بٹاتی۔''

''اچھا!'' وہ استہزائیہ ہنسا۔ ''کیا گھول کر پلا دیا ہے اس نے تمہیں؟''

''محبت' اتنی محبت تو سحر آپی بھی ہم سے نہیں کرتی تھیں۔'' بیہ نے کہا تو وہ چڑ کا بولا۔

''تم ہر بات میں اسے سحر سے کیوں ملانے بیٹھ جاتی ہو۔''

''اس لیے کہ پہلے وہی اس گھر میں آنے والی تھیں۔ وہ تو اچھا ہوا۔''

''بس فضول باتیں مت کرو۔'' اماں ٹوک کر کہنے لگیں۔ ''یہ سب نصیب کے کھیل ہیں۔ اللہ جس کے نصیب میں جو لکھتا ہے اسے وہی ملتا ہے اور بیٹا! تم کیوں اس بچی پر ظلم کر

رہے ہو۔''

''ہائیں!'' وہ اچھل پڑا۔ ''میں کیا ظلم کر رہا ہوں۔''

''کیوں اچھا بھلا تو اتنا بڑا بنگلہ ملا تمہیں اور تم اسے یہاں لے آئے اتنے نازوں میں پلی ہوئی لڑکی۔ تمہیں خیال کرنا چاہیے۔ پہلے تو بڑے شوق سے گئے تھے۔ اب کیا ہوا۔'' اماں نے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ فوراً پوچھنے لگا۔

''رجاء نے کچھ کہا آپ سے؟''

''نہیں' لیکن سوچتی تو ضرور ہوگی کہ ہم اسے کہاں لے آئے۔''

''کہاں لے آئے سے کیا مطلب۔ گھر ہے کوئی جنگل تو نہیں اور آپ فکر نہیں کریں وہ یہاں خوش ہے۔'' وہ خواہ مخواہ بگڑ گیا تو اماں بھی خفا ہو کر کہنے لگیں۔

''تو یہ میں نے کب کہا کہ وہ خوش نہیں ہے۔''

''بس تو پھر یہیں رہے گی وہ۔ مجھے نہیں جانا اس کے باپ کے دیے ہوئے بنگلے میں۔'' وہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تو بیہ نے حیران ہو کر اسے دیکھا لیکن بولی کچھ نہیں اور اماں کو بھی خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا تھا۔

’’سنو، عاطف علی کے لیے ڈیڈی نے کیا نہیں کیا۔ اسے لندن بھجوایا۔ پھر یہاں اس کے لیے نیا آفس قائم کیا۔ ایم ڈی کی پوسٹ، بنگلہ، گاڑی تاکہ وہ ہمارے اسٹینڈرڈ تک آ جائے اور اس کے لیے تم نے کتنا انتظار کیا پھر بھی وہ تمہیں اسی چھوٹے سے گھر میں لے گیا۔ کیوں؟‘‘

آپی اس کے ساتھ مسلسل مغز ماری کر رہی تھیں اور اس کا ایک ہی جواب تھا۔

’’پتا نہیں۔‘‘

’’تم اس سے پوچھو تو کہ آخر وہ کیا چاہتا ہے؟‘‘

’’کیوں آپی! آپ ہی نے تو کہا تھا کہ جب نئے رشتے بنتے ہیں تو پرانے یاد نہیں رہتے ہو سکتا ہے اب وہ بھی حسام بھائی کی طرح صرف داماد بن کر سوچ رہا ہو بلکہ یقیناً ایسا ہی ہے اور اب وہ ڈیڈی کی کوئی آفر قبول نہیں کرے گا جس پر مجھے اعتراض نہیں خوشی ہے۔‘‘

اس نے اپنے طور پر قیاس کر کے کہا تو آپی زچ ہو کر بولیں۔

’’ڈیڈی کی آفر بے شک قبول نہ کرے۔ تمہاری چیز تو استعمال کر سکتا ہے اور وہ بنگلہ تمہاری ملکیت ہے۔‘‘

’’آپ بنگلے پر کیوں زور دے رہی ہیں؟‘‘

’’اس لیے کہ مجھے تمہارا وہاں رہنا اچھا نہیں لگتا۔ حسام بھی مذاق اڑاتے ہیں۔‘‘ آپی نے کہا تو اس بار اسے بہت برا لگا۔

’’مجھے کسی کے مذاق اڑانے کی پروا نہیں ہے۔ بنگلہ، گاڑی اگر مجھے یہ سب دیکھنا ہوتا تو میرے لیے ایسے سینکڑوں رشتے موجود تھے۔ آپ نے بتایا نہیں حسام بھائی کو۔‘‘

’’معلوم ہے انہیں۔‘‘

’’پھر مذاق کیوں اڑاتے ہیں۔؟‘‘

’’افوہ تم سے تو بات کرنا فضول ہے۔‘‘ آپی چڑ گئیں۔ ’’ممی ٹھیک کہتی ہیں، تم پاگل ہو گئی ہو اور وہ عاطف علی۔‘‘

’’پلیز آپی! عاطف علی کو کچھ مت کہیے گا۔‘‘

اس نے فوراً ٹوکا تو آپی سر جھٹک کر اس کے پاس سے اٹھ کر چلی گئیں اور وہ قصداً ان کے پیچھے نہیں گئی۔ کمرہ بند کر کے لیٹ گئی۔ کچھ دیر بعد ملازمہ نے آ کر عاطف علی کے آنے کا بتایا تب وہ کمرے سے نکلی تھی کہ فون کی بیل پر بلا ارادہ لابی میں آ کر ریسیور اٹھا لیا۔

’’ہیلو۔‘‘

’’تھینک گاڈ! تمہاری آواز سننے کو ملی۔‘‘ دوسری طرف فراز تھا، اس کی آواز پہچان کر شکر کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ’’شادی کر کے تم تو غائب ہی ہو گئیں، آنکھیں ترس گئیں تمہیں دیکھنے کو۔‘‘

’’مائنڈ یور لینگویج فراز۔‘‘ اس نے خود پر بہت ضبط کر کے اسے ٹوکا لیکن اس پر کچھ اثر نہیں ہوا۔

’’غلط نہیں کہہ رہا میں۔‘‘

’’بکو مت، یہ بتاؤ، یہاں فون کیوں کیا ہے؟‘‘

’’تم سے بات کرنے کے لیے۔ کچھ دیر پہلے مسز عاطف علی سے باتوں کے دوران معلوم ہوا کہ تم یہاں ہو تو میں نے سوچا موقع اچھا ہے۔‘‘ فراز نے کہا تو وہ اندر ہی اندر کھول کر بولی۔

’’کیا بات کرنی ہے تمہیں؟‘‘

”ایک نہیں بہت ساری باتیں ہیں جو میں فون پر نہیں کر سکتا۔ کیا خیال ہے، تمہارے گھر آ جاؤں۔“ فراز کے شیطانی لہجے نے اسے مزید سلگا دیا۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے میرے گھر آنے کی۔“

”کیوں میں کوئی غیر تو نہیں، رشتے میں تمہارے شوہر کا بہنوئی ہوتا ہوں۔“

وہ کمینگی سے ہنسا تھا۔ جس پر اس نے فون پٹخ دیا اور کچھ دیر وہیں رک کر خود پر قابو پایا پھر لاؤنج میں آئی تو ڈیڈی کے ساتھ بیٹھا عاطف علی اسے دیکھتے ہی بولا۔

”چلنا نہیں ہے۔“

”ہاں چلیں۔“

”ہیں، ابھی تو آئے ہو بیٹا! کچھ دیر آرام کرو پھر رات کا کھانا کھا کر جانا۔“ ڈیڈی نے فوراً مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

”تھینک یو سر! پھر کسی دن فرصت سے آؤں گا۔ ابھی بیہ کو اس کی ایک دوست کے ہاں سے لینا ہے۔“

وہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تو وہ ممی ڈیڈی سے مل کر اس کے ساتھ باہر آ گئی اور گاڑی میں بیٹھتے ہی پوچھنے لگی۔

”بیہ کون سی دوست کے ہاں گئی ہے؟“

”میں نام وغیرہ نہیں جانتا۔ یہیں ڈیفنس والے گھر کے قریب رہتی ہے۔ ایک تو اسے سہیلیاں بنانے کا بہت شوق ہے۔ یہاں ڈیفنس میں کتنے تھوڑے سے عرصے میں درجن بھر لڑکیوں سے دوستی کر لی۔“

وہ بیہ کے شوق پر خواہ مخواہ جھنجلا رہا تھا۔ وہ خاموشی سے سنتی رہی۔ پھر جب اس نے بیہ کو پک کیا تب بھی تمام راستہ وہ دونوں بہن بھائی بولتے رہے۔ اس نے ان کی باتوں میں مداخلت نہیں کی کیونکہ ان کے درمیان بنگلے میں شفٹ ہونے کی تکرار تھی۔ بیہ اپنی سہیلیوں کی وجہ سے یہاں آنا چاہتی تھی اور وہ پتا نہیں کس وجہ سے منع کر رہا تھا۔ وہ جاننا چاہتی تھی لیکن اس کا ذہن فراز میں الجھ گیا تھا۔ پتا نہیں اب وہ کون سی باتیں کرنا چاہتا تھا۔ جو کہہ رہا تھا فون پر نہیں کہہ سکتا اور گھر آنے کی بات کر رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس سے کیا چاہتا ہے۔

البتہ ٹھٹک ضرور گئی تھی اور اس وقت کچھ پریشان بھی ہو گئی جب گھر میں داخل ہوتے ہی اماں کے پاس سحر اور فراز کو بیٹھے دیکھا۔

”السلام علیکم۔“ وہ کوشش سے مسکرائی پھر فوراً اماں کی طرف بڑھ گئی اور ان سے مل کر ان کا حال احوال پوچھنے لگی۔

”گھر سونا ہو گیا تھا تمہارے بغیر۔ آج میں نے عاطف سے کہا تمہیں ضرور لے کے آئے۔“ اماں اس کی پیشانی چوم کر بولیں۔

”آپ لوگ بیٹھیں پلیز۔“ اس نے سحر اور فراز کو دیکھ کر کہا پھر بیہ کو اشارہ کر کے کچن میں آ گئی۔

”جی بھابھی!“ بیہ فوراً ہی اس کے پیچھے آ گئی تھی۔

”مہمانوں کی خاطر مدارت کے لیے۔“ اس نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ بیہ بول پڑی۔

”صرف چائے، میرا مطلب ہے ابھی چائے پھر کھانے کا اماں سے پوچھ لیتی ہوں۔ آپ جا کر بیٹھیں ان کے پاس۔ میں چائے بنا لوں گی اور ہاں آپ کو پتا ہے یہ کون ہیں؟“

”تمہاری کزن ہے سحر، میں پہلے بھی مل چکی ہوں۔ اس وقت جب یہ عاطف کی منگیتر تھی۔“ وہ سمجھ گئی تھی، بیہ اسے کیا بتانا چاہتی ہے۔

”ہائیں، آپ کو پتا ہے۔“ بیہ کی حیرت پر وہ بے ساختہ مسکرائی۔

”ہاں لیکن تمہیں پتا نہیں ہے کہ اس کا شوہر میرے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتا تھا۔“

”اچھا...... جب ہی وہ سحر آپی کو لے آئے ہیں۔“ بیہ نے اپنی سمجھ کے مطابق کہا تب ہی عاطف علی کچن کے دروازے میں آ کر بولا۔

”یہ تم دونوں مہمانوں کو چھوڑ کر یہاں کیا کر رہی ہو۔“

”مہمانوں کے لیے چائے پانی کا انتظام۔“ بیہ نے کہا تو وہ ٹرے پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔

”کچھ نظر تو نہیں آ رہا، کیا صرف چائے پلاؤ گی۔“

”نہیں، بعد میں کھانا بھی کھلائیں گے۔“

”لیکن وہ تو ابھی جانے کی بات کر رہے ہیں۔“

”ہاں اماں جانے دیں گی جیسے۔ چلیں چائے تیار ہے۔“ بیہ نے ٹرے اٹھا لی تو وہ اس

سے پہلے کچن سے نکل ائی۔

پھر اماں نے واقعی انہیں زبردستی کھانے تک روک لیا تھا اور وہ کام سے جی نہیں چراتی تھی لیکن اندر سے کیونکہ خائف تھی اس لیے اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ کھانا بناتے ہوئے دھیان اندر کی طرف رہا کہ پتا نہیں کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ کہیں فراز یا سحر کے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو اسے عاطف علی کی نظروں میں مشتبہ کر دے۔

اسی خدشے کے تحت وہ سارا کام بیبہ پر چھوڑ کر اندر آ گئی۔ اماں سحر سے باتوں میں مصروف تھیں جبکہ فراز الگ تھلگ بیٹھا تھا اور عاطف علی پتا نہیں کہاں تھا’ شاید اپنے کمرے میں۔

وہ کچھ دیر اماں اور سحر کی طرف متوجہ رہی پھر غیر محسوس طریقے سے فراز کے پاس جا کر بولی۔

‘‘میں نے تمہیں یہاں آنے سے منع کیا تھا۔’’

‘‘ہاں لیکن...... تم ڈرتی کیوں ہو؟’’ فراز سے کوئی بات نہیں بن سکی تو الٹا ٹوکنے لگا۔

‘‘میں ڈرتی نہیں ہوں۔ بس تمہیں نہیں آنا چاہیے۔’’

‘‘میں خود نہیں آیا’ میری بیوی مجھے لے کر آئی ہے۔ تمہیں اگر منع کرنا ہے تو اسے کرو۔’’ وہ ایک دم نروٹھا بن گیا’ تو وہ دانت پیس کر بولی۔

‘‘فون تو تم نے کیا تھا۔’’

‘‘وہ تو میں کرتا رہوں گا کیونکہ......’’

عاطف علی کے آنے سے اس کی بات ادھوری رہ گئی اور وہ کچھ انجان سی بن کر کمرے سے نکل آئی اور پھر فراز کے جانے تک وہ یونہی ادھر ادھر مصروف رہی۔ جس پر بعد میں اسے اپنے آپ پر حیرت ہونے لگی کہ وہ ایسی کیوں ہو گئی ہے۔ اپنی ذات پر اعتماد ہی نہیں رہا۔ محبت کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ وہ اپنی شناخت ہی کھو دے اور یوں بے بس سی بن کر رہ جائے۔ اس رات وہ عاطف علی سے الجھ گئی۔

‘‘عاطف! مجھے اس محدود زندگی سے اکتاہٹ ہونے لگی ہے۔ سارے دن ایک ہی جیسے ہوتے ہیں یہاں۔ کوئی نیا پن نہیں۔ صبح اٹھنے کے ساتھ ناشتے کی فکر پھر دوپہر کا کھانا’ کیا پکے گا۔ رات کا الگ مسئلہ زندگی صرف کھانا پکانے کا نام ہی تو نہیں ہے۔’’

‘‘پھر......’’ اس کے اتنے آرام سے کہنے پر وہ سلگ کر بولی۔

‘‘پھر یہ کہ مجھے مڈل کلاس عورت بننے کا کوئی شوق نہیں ہے۔’’

‘‘یہ تو تمہیں پہلے سوچنا چاہیے تھا۔ تم جانتی تھیں کہ میرا تعلق مڈل کلاس سے ہے۔’’

‘‘ہے نہیں تھا۔ جب آپ نے مجھے پرپوز کیا تھا’ اس وقت آپ اس کلاس سے نکل چکے تھے۔’’

‘‘اس کا مطلب ہے’ یہاں رہ کر اگر میں تمہیں پرپوز کرتا تو تم مجھے ریجیکٹ کر دیتیں۔’’

وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا اور اس بار وہ جز بز سی ہو کر بولی۔

‘‘آپ بات کو غلط رخ پر لے جا رہے ہیں۔’’

‘‘میں نہیں تم’ صاف بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟’’

‘‘کچھ نہیں۔’’ وہ چڑ گئی۔ ‘‘میں کچھ نہیں چاہتی۔’’

‘‘تم ناراض کیوں ہو رہی ہو۔؟’’ عاطف علی اس کی کیفیت سمجھ بھی رہا تھا اور نہیں بھی۔

‘‘بس چھوڑ دیں’ کوئی بات نہیں ہے۔’’ وہ لائٹ آف کرنے کے بہانے اٹھ گئی۔

پھر اگلے کتنے دن وہ یونہی اکھڑی اکھڑی سی تھی اور اپنے آپ میں الجھتے ہوئے سمجھ بھی نہیں پا رہی تھی کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ اس دوپہر کھانے کے بعد وہ کچھ دیر سونے کی غرض سے لیٹی تھی کہ ممی کا فون آ گیا۔ چھوٹتے ہی کہنے لگیں۔

''میں تمہارے لیے بہت فکر مند رہتی ہوں رجاء۔''

''کیوں ممی؟''

''بیٹا! وہ کوئی رہنے کی جگہ ہے' پھر گھر میں کوئی ملازم بھی نہیں ہے۔ سارا کام تمہارے سر پر ہے۔ عاطف علی کو اگر نوکرانی چاہیے تھی تو اپنے ہی جیسوں میں شادی کرتا۔ تم پر یہ ظلم کیوں کر رہا ہے۔'' ممی سخت نالاں تھیں۔

''افوہ! مجھ پر کوئی ظلم نہیں ہو رہا۔'' وہ مزید جھنجلا گئی۔

''تم خوامخواہ اس کی طرفداری مت کرو۔ اب میں خود اس سے بات کروں گی' تم کوئی لاوارث نہیں ہو جو وہ جیسا چاہے تمہارے ساتھ سلوک روا رکھے۔ تمہیں اگر اچھی زندگی نہیں دے سکتا تو......''

''بس ممی! آگے کچھ مت کہیے گا۔'' اس نے فوراً ٹوکا تو ممی غصے سے بولیں۔

''تم پاگل ہو گئی ہو۔ غریبوں سے ہمدردی کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ الٹا گلے پڑ جاتے ہیں۔ وہ جسے تم نے اپنا اپارٹمنٹ دیا تھا۔ وہ ابھی تک وہیں جما ہوا ہے۔ تمہارے ڈیڈی روز پوچھتے ہیں۔ آخر کیا ارادہ ہے اس کا۔''

''پتا نہیں۔ آئی مین میری بہت دنوں سے اس سے بات نہیں ہوئی۔ میں ابھی پوچھتی ہوں اس سے۔'' اس نے بات ختم کرنے کی غرض سے کہا۔

''پوچھنا کیا ہے' بس نوٹس دے دو کہ فوراً خالی کر دے۔''

''جی یہی کہوں گی۔''

اس نے کہا تو ممی نے مزید تاکید کر کے فون بند کر دیا' تب اسے اچانک خیال آیا کہ شاید فراز نے اسی سلسلے میں اسے فون کیا تھا کہ ڈیڈی نے اسے اپارٹمنٹ خالی کرنے کو کہا ہوگا' جب ہی کہہ رہا تھا کہ اس کی مدد چاہیے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے فراز کو فون کر ڈالا۔

''کہاں سے بات کر رہی ہو؟'' فراز نے اس کی آواز سنتے ہی پوچھا تھا۔

''اپنے گھر سے۔''

''کون سے گھر' کیا ڈیفنس شفٹ ہو گئی ہو۔''

''نہیں' فی الحال وہاں جانے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔ بہرحال تم بتاؤ اس روز تم کیا کہہ رہے تھے۔ تمہیں کیا بات کرنی ہے مجھ سے۔'' وہ اصل بات جاننا چاہتی تھی۔

''اس روز ہاں میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم تو غائب ہی ہو گئیں' کبھی آفس ہی آ جایا کرو۔''

''اصل بات کہو فراز۔'' اس نے ٹوک دیا۔

''اصل بات یہ ہے کہ مجھے ایک بار پھر تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔'' فراز نے کہا تو اس

نے فوراً پوچھا۔

''کس سلسلے میں؟''

''شادی' میری شادی کرادو۔'' فراز ترنگ میں بولا اور وہ اچھل پڑی۔

''کیا' پاگل ہوگئے ہو؟''

''پاگل ہی تو ہوگیا ہو' تمہاری نند کو دیکھ کر۔ کیا بھلا سا نام ہے اس کا' بیہ۔'' ادھر وہ جذباتی لہجے میں بولا تھا۔

''فراز!'' وہ چیخ پڑی پھر ایکدم گھبرا بھی گئی کہ کہیں اماں یا بیہ نہ سن لیں۔ آواز دبا کر بولی۔ ''تمہیں شرم آنی چاہیے۔ بیہ تمہاری بیوی کی کزن بھی ہے۔''

''کزن ہے سگی بہن تو نہیں۔'' وہ ڈھٹائی سے بولا۔

''بکواس بند کرو اور خبردار جو ایسا سوچا بھی۔'' وہ دانت پیس کر بولی۔

''میں تو سوچ چکا ہوں۔ تم سوچ لو۔'' اس کے دھمکی آمیز لہجے پر وہ ایکدم آپے سے باہر ہوگئی۔

''کیا' کیا سوچ لوں۔ تم مجھے دھمکی دے رہے ہو۔ بلیک میل کرنا چاہتے ہو مجھے۔ اپنی اوقات بھول رہے ہو تم۔''

وہ غصے میں جو منہ میں آیا' کہتی گئی پھر فون پٹخ کر بھی غصہ کم نہیں ہوا۔ دل چاہ رہا تھا کہیں سے وہ سامنے آجائے تو وہ اس کا منہ نوچ لے۔ کس قدر گھٹیا پن کا مظاہرہ کیا تھا اس نے۔ وہ تلملائی ہوئی کمرے میں ادھر سے ادھر چکرا رہی تھی کہ عاطف علی کی آواز پر اچھل پڑی۔

''السلام علیکم۔'' عاطف علی نے کمرے میں داخل ہوتے ہی سلام کیا تھا۔ پھر اس کا تلملایا ہوا سرخ چہرہ دیکھ کر پوچھنے لگا۔

''خیریت' کیا ہوا ہے؟''

''وہ......'' وہ ایک دم ہونٹ بھینچ کر اس کی طرف سے رخ بھی موڑ گئی اور خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے اچانک احساس ہوا کہ وہ کس بری طرح پھنس گئی ہے۔

''رجاء......'' عاطف علی نے عقب سے اسے کندھوں سے تھام کر اپنی طرف موڑا تو وہ اس کے سینے میں منہ چھپا کر رو پڑی۔

''ارے رے۔ یہ کیا بے وقوفی ہے۔'' وہ ٹوکتے ہوئے پوچھنے لگا۔ ''اماں نے کچھ کہا ہے یا بیہ سے جھگڑا ہوا ہے؟''

''جی نہیں۔' وہ اسے دھکیل کر پیچھے ہٹ گئی۔

''پھر رو کیوں رہی ہو؟''

''مجھے آپ پر غصہ آرہا ہے۔ صبح کے گئے رات میں آتے ہی کوئی احساس ہی نہیں کہ میں کتنی بور ہوتی ہوں۔'' وہ ایک دم بات بنانے میں کامیاب ہوگئی۔

''کتنی......؟''

''بس آپ بات نہیں کریں مجھ سے۔''

وہ روٹھ کر دور جا بیٹھی تو اس وقت عاطف علی کو احساس ہوا کہ وہ واقعی اس کے ساتھ زیادتی کر رہا ہے اور اس سے پہلے کہ وہ سچ مچ روٹھ جائے اسے منا لینا چاہیے۔

''کم آن رجاء! پتا ہے میں اس وقت کیا سوچ کر آیا تھا۔ کہ تمہیں لانگ ڈرائیو پر لے جاؤں گا اور چائنز۔ چلو جلدی سے چینج کرلو۔''

''مجھے نہیں جانا۔'' وہ ہنوز روٹھے لہجے میں بولی۔

''کیوں نہیں جانا' چلو اٹھو۔'' عاطف علی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیا پھر اس کی کمر میں بازو ڈالتا ہوا بولا۔ ''آئی ایم سوری' میں واقعی لیٹ آنے لگا ہوں۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔''

وہ حیران سی اس کے بازوؤں سے نکل کر اپنے کپڑے نکالنے لگی۔ پھر بس پندرہ منٹ تیار ہوگئی اور اماں سے کہہ کر دونوں نکل آئے۔

گو کہ اس سے پہلے بھی وہ اس کے ساتھ کئی بار جا چکی تھی لیکن یوں جیسے وہ کوئی ذمہ داری نبھا رہا ہو یعنی شوق اور محبت والی بات نہیں ہوتی تھی جبکہ اس وقت اس کے ہر انداز سے وارفتگی جھلک رہی تھی۔ جسے محسوس کرتے ہوئے وہ کچھ دیر پہلے کی ساری خفگی بھول کر اسے دیکھنے لگی جو کہہ رہا تھا۔

”تم نے مجھے حیران کر دیا ہے رجاء! میرا تو خیال تھا، تم بہت مغرور اور ضدی سی لڑکی ہو گی اور ہر روز مجھ سے جھگڑا کرو گی۔“

”کس بات پر؟“ اس نے فوراً پوچھا کیونکہ بہت متجسس ہو گئی تھی۔

”جھگڑا کرنے کے لیے ضروری تو نہیں کہ کوئی بات ہو۔“

”ہاں، لیکن آپ نے میرے بارے میں ایسا کیوں سوچا۔ کیا میں شکل سے جھگڑالو نظر آتی ہوں؟“

”نہیں۔“

”پھر۔ بتائیں ناں عاطف!“ وہ اس کا بازو ہلانے لگی۔ ”مجھے بہت بے چینی ہو رہی ہے۔ آپ نے ایسا کیوں سوچا۔“

”ارے بازو چھوڑو۔ ایکسیڈنٹ ہو جائے گا۔“ اس نے ٹوکا تو وہ بازو چھوڑ کر بولی۔

”ٹھیک ہے نہ بتائیں۔“

”بتا تو رہا ہوں۔“ وہ اس کی خفگی کے خیال سے فوراً بولا۔ ”مجھے یہ خیال یوں آیا کہ تم بڑے باپ کی خوبصورت بیٹی، تمہارے پاس کسی چیز کی کمی نہیں تھی جب میرے گھر آؤ گی تو ہر چیز کی کمی کا رونا روؤ گی اور میرا جینا اجیرن کر دو گی لیکن تم نے ایک بار بھی شکوہ نہیں کیا، کیوں؟“

”کیونکہ مجھے کسی شے کی کمی محسوس نہیں ہوتی۔“

اس نے ابھی کیوں کا سوال اٹھایا تھا کہ اس نے فوراً جواب دے دیا جس پر وہ نفی میں سر ہلاتا ہوا بولا۔

”نہیں رجاء! کمی تو بہت ہے۔ جن آسائشات کی تم عادی تھیں میرے گھر میں ان کی پرچھائیں تک نہیں ہے۔“

”ہاں لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ آسائشات خوشیوں کی ضامن بھی ہوں۔“

”تم خوش ہو۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“ اس نے چونک کر وضاحت طلب نظروں سے دیکھا تو وہ افسردگی سے مسکرائی پھر سیٹ کی بیک پر سر رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”آپ کو یاد ہے، آپ نے کہا تھا کہ میں کسی اور کو سوچتا تھا، پتا نہیں کب تمہیں سوچنے لگا۔ یوں کہ پھر ہر رنگ، ہر منظر میں تمہارا عکس جھلملانے لگا اور یہ سچ نہیں ہے عاطف! مجھے لگتا ہے آپ ابھی بھی کسی اور کو سوچتے ہیں جب ہی آپ کو میری پروا نہیں ہے۔“

”مجھے تمہاری پروا ہے یا نہیں۔ اس کا فیصلہ وقت کرے گا البتہ یہ سن لو کہ میں اسے نہیں سوچتا۔“

”پھر...... مجھ سے بے اعتنائی برتنے کا سبب کیا ہے؟“

”اپنے آپ سے پوچھو۔“ اس نے کہا تو وہ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ ونڈ اسکرین پر جمی اس کی آنکھوں میں جانے کیا تھا اور وہ سمجھ نہیں سکی تو کہنے لگی۔

”پتا نہیں، میں نہیں سمجھ پا رہی۔ آپ بتائیں۔“

”پہلے تم بتاؤ، تم نے مجھے پہلی بار دیکھتے ہی مجھ سے شادی کا سوچ لیا تھا یا میرے پرپوز کرنے کے بعد سوچا۔ دیکھو سچ بولنا۔“

آخر میں اس نے سچ پر زور دیا تو وہ نہ صرف ٹھٹکی بلکہ فوراً افراز کی دھمکی یاد آنے پر یہی سمجھی کہ اسی نے کچھ کہا ہے اور اس کے بعد وہ یہی کہہ سکی۔

"آپ جانتے تو ہیں۔" عاطف علی نے ایکدم گاڑی سائیڈ میں لے جا کر روک دی اور اس پر نظریں جما کر بولا۔

"ہاں، میں جانتا ہوں کہ تم نے بہت پہلے مجھے اپنے لیے منتخب کر لیا تھا، پھر مجھے باہر بھجوا کر یہاں سحر کی شادی کروادی اور......"

"نہیں عاطف!" وہ ٹوک کر بولی۔ "میں نے کسی کی شادی نہیں کرائی۔ آپ جا کر پوچھیں سحر سے، اس کے ماں باپ سے اور فراز سے۔ میں نے کس کے سامنے جا کر ہاتھ جوڑے یا کس کے ساتھ زبردستی کی۔ میں نے تو فراز سے بھی بس ایک بار کہا تھا۔ وہ اگر انکار کر دیتا یا سحر کی طرف سے انکار ہوتا تو میں کیا کر لیتی؟ کچھ بھی نہیں، بس اپنی یک طرفہ محبت اپنے اندر دفن کر کے ابھی بھی ڈیڈی کے ساتھ چل رہی ہوتی۔"

"محبت۔" عاطف علی کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی تھی۔

"ہاں محبت، میری محبت میں کوئی کھوٹ نہیں تھا۔ نہ میرے جذبے کمزور تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو چند دنوں میں یہ نشہ ہرن ہو جاتا اور آپ نے منتخب کرنے والی بات غلط کہی۔ میں تو خود ہار گئی تھی۔"

آخر میں اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"کب؟ جب میں پہلی بار تمہارے آفس آیا تھا۔" وہ اس کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر بے چین ہو گیا تھا لیکن اس پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔

"اس سے بھی پہلے۔" اس نے کہا تو وہ سوچتا ہوا بولا۔

"اس سے پہلے ہماری ملاقات کہاں ہوئی تھی؟"

"زارا کے ہاں، اس کی برتھ ڈے پارٹی میں۔ ہماری باقاعدہ تو......"

"ایک منٹ......" وہ ٹوک کر پوچھنے لگا۔ "یہ زارا کون ہے، آئی مین، میں کسی زارا کو نہیں جانتا۔"

''آپ جانتے ہیں یا نہیں، میں نے بہرحال پہلی بار آپ کو وہیں دیکھا تھا اور پھر اسے میں اپنے جذبوں کی زور آوری کہوں گی کہ دو روز بعد ہی آپ خود چل کر میرے پاس آ گئے تھے اور میں نے آپ کو بھی کسی بات پر مجبور نہیں کیا تھا۔ میری طرف سے ایک چھوٹی سی آفر تھی جاب کی اور انتخاب کا اختیار آپ کے پاس تھا۔''

وہ اندر سے خائف ہونے کے باوجود بہت حاضر دماغی سے کام لے رہی تھی۔

''اگر آپ چاہتے تو میری آفر ریجیکٹ کر سکتے تھے۔''

''ہاں لیکن اس سے میری قسمت تو نہیں بدل سکتی تھی۔'' اور وہ جو اندر ہی اندر قائل ہو گیا تھا، سچ ہی تو کہہ رہی تھی وہ، دھیرے سے اس کی ٹھوڑی چھو کر کہنے لگا۔ ''میں ہمیشہ سے قسمت پر یقین رکھتا ہوں۔ انسان خواہ کچھ بھی سوچ لے کتنی تدبیریں کر لے آخری فیصلہ قسمت کرتی ہے اور قسمت کا فیصلہ کبھی غلط نہیں ہوتا۔ آسمانوں پر لکھا جاتا ہے۔ ازل سے تمہارا میرا ساتھ لکھا گیا تھا پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ میں تمہاری آفر ریجیکٹ کر دیتا اور اگر کر بھی دیتا تو اگلے کسی موڑ پر قسمت پھر مجھے تمہارے پاس لے آتی۔ ہے ناں۔''

''شاید......'' اس نے ذرا سی پلکیں اٹھا کر دوبارہ جھکا لیں۔

''شاید نہیں یقیناً اور اس بات کا بھی یقین کر لو کہ میں نے پوری ایمانداری سے تمہیں اپنایا ہے۔ میرے دل اور میری ہر سوچ پر تم اور صرف تم قابض ہو۔ یہ خیال دل سے نکال دو کہ میں کسی اور کو سوچتا ہوں۔ سن رہی ہو ناں؟''

اس نے آہستہ سے اس کا ہاتھ ہلایا تو اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر بڑی خوبصورت مسکراہٹ کھیلنے لگی تھی کیونکہ دل ہر خدشے، ہر خوف سے یک لخت آزاد ہو گیا تھا اور اب وہ فراز کی دھمکیوں کا بھی منہ توڑ جواب دے سکتی تھی۔

اختتام